ISMAT CHUGHTAI KI FICTION NIGARI KA TANQEEDI JAIZA

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

URDU

BY

TALAT MAH

Under the Supervision of

DR. M. SAGHIR BEG

DEPARTMENT OF URDU
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2002

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ

مقالہ

برائے پی۔ایچ۔ڈی۔(اردو)

تلخیص

نگراں

ڈاکٹر محمد صغیر بیگ

مقالہ نگار

طلعت ماہ

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۰۰۲ء

T-5965

تلخیص

تلخیص

عصمت چغتائی ایسی پہلی خاتون ہیں۔ جو اردو ادب میں ایک ممتاز حیثیت کی مالک ہیں ان کی نثر اپنے اندر بے ساختگی اور تھکے پن کے علاوہ ایک تمثیلی جوہر بھی رکھتی ہے۔ عصمت چغتائی انشا پرداز ہی نہیں۔ بلکہ ایک صاحب طرز بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے ناول اور افسانوں کے ذریعہ ادب میں بہت بڑا مقام حاصل کیا ہے۔ ان کے ناول اور افسانوں میں ایسی دلکشی ہے جس کا مقابلہ کوئی اور افسانہ نگار نہیں کرسکا۔ انھوں نے اپنے عہد میں جو ناول یا افسانے لکھے وہ بہت مقبول ہوئے ہیں وہ ایک ایسی فن کار تھیں۔ جنھوں نے نہ صرف اپنے خیالات کو تحریر کیا بلکہ ایک سماجی و ثقافتی برائیوں کی حقیقت سے روشناس کرایا۔

عصمت کی شخصیت بحیثیت افسانہ نگار اور ناول نگار کے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی پیش بہا خدمات نے ان کا نام ہمیشہ کے لئے اردو ادب میں روشن کردیا۔ عصمت چغتائی فن کارانہ فضیلت میں مضمر ہیں انھوں نے افسانوی ادب میں اپنے تجربات و مشاہدات کے ذریعہ عوام کو اس کی صحت مند اور اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا۔ اس طرح انھوں نے افسانوی ادب کو فنی شعور اور اسلوب نگارش عطا کیا۔ وہ کوئی اور دوسرا ناول نگار نہیں کرسکتا۔ عصمت نے اپنے زمانے کے سماج کی تصویر کشی میں کسی طرح قید و بند برداشت نہیں کیا۔ انھوں نے سماج کے حسن و قباح کی دونوں تصاویر کو اپنی کہانیوں میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

عصمت چغتائی کا اصلی نام عصمت خانم تھا۔ ان کی پیدائش ۲۱ راگست ۱۹۴۵ء کو بمقام بدایوں میں ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام نصرت خانم اور والد کا نام مرزا نسیم بیگ چغتائی تھا۔ ان کا آبائی وطن آگرہ تھا۔ عصمت کا خاندان پڑھا لکھا تھا۔ عصمت چغتائی بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طالبہ رہ چکی

ہیں۔انھوں نے اپنے طالب علمی کے دور کی عکاسی بہت اچھے انداز میں کی ہے۔عصمت نے گھریلو ماحول اور کالج کی زندگی کو اس طرح بیان کیا کہ جیسے وہ اپنی ہی زندگی کی کہانی سنا رہی ہوں۔

عصمت چغتائی ایک اچھی طالبہ اور روشن خیال خاتون تھیں۔انھیں تعلیم کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ جب وہ بارہ تیرہ سال کی تھیں۔انھوں نے قرآن شریف پڑھ لیا تھا۔قرآن شریف کی تعلیم کے بعد عصمت چغتائی نے جب انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تو انگریزی تعلیم کے لئے ان کے خاندان والوں نے بے حد مخالفت کی۔لیکن عصمت نے اپنا ارادہ پختہ رکھ کے اپنا نام عبداللہ گرلس کالج میں لکھوالیا۔اور اپنی تعلیم مکمل کی۔ پھر ان کا رخ اردو ادب کی طرف رجوع ہوا۔انھوں نے ناول اور افسانے بھی لکھے۔یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ناول نگاری میں اپنا مقام پیدا کیا اور سب سے پہلا ناول ضدی لکھا۔جس کی چند سطریں درج ذیل ہیں۔

ضدی ۱۹۶۱ء میں تحریر کیا گیا۔ضدی نے انھیں ایسے فن کار کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ جو سماجی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا اور ان کا حال پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔عصمت کی تحریر میں ایک باغیانہ روش ملتی ہے۔ان کے یہاں جنسیت کا پہلو رہ رہ کر ابھرتا رہتا ہے۔اور طنز کی بارش ہوتی ہے۔ ضدی میں اس کی نشاندہی برائے نام کی جاسکتی ہے۔لہٰذا اپنے معاصرین کی طرح وہ ایسی فن کار نظر آتی ہیں۔ جو سماج کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔عصمت کے فکر و فن پر مطالعہ کرنے والوں کو ضدی کا شمار ایسی فہرست میں کرنا چاہئے۔جس میں ایک فن کار کا عکس نظر آجاتا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک اور ناول معصومہ ہے۔عصمت چغتائی نے اس ناول کے اندر مسلم گھرانوں کی اقتصادی بدحالی کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔اس ناول میں تقسیم ہند کے وقت حیدرآباد کے ایک مسلم گھرانے سے لے کر بمبئی کے سیٹھوں اور فلمی پروڈیوسروں اور عورتوں کے سفید پوش

دلالوں کی زندگی کا نقشہ بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح عصمت چغتائی نے یکے بعد دیگرے افسانے لکھے۔ وہ سبھی دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ عصمت چغتائی نے نہ صرف افسانے لکھے ہیں بلکہ ناول میں بھی ایک اہم مقام حاصل کیا ہے۔ عصمت چغتائی کا پہلا افسانہ لحاف ہے۔ اس افسانے کے اندر انھوں نے عورتوں کے جنسی مسائل کو بڑے بے باکانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ بالخصوص ان عورتوں کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ جن کے شوہر جنسی طور پر ناکارہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسے ماحول میں رکھی جاتی ہیں جہاں آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور نا ہی ان کے جنسی جذبات کے تسکین کا کوئی راستہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے حالات میں خواتین غیر فطری راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ عصمت چغتائی کا یہ ایک جرأت مندانہ اظہار ہے جس میں انھوں نے بڑے مسئلوں کو افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ بقول وقار عظیم :

> ''عصمت کا بڑا اضافہ یہ ہے کہ انھوں نے بتایا ہے کہ عورت کے بھی اپنے مسائل ہیں۔ ش۔ اختر کے الفاظ میں عصمت نے اس حقیقت کو کبھی نہیں بھلایا کہ جنس زندگی کا ایک سنگ بنیاد ہے۔ اور تخلیق سے اس کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ عصمت نے پہلی بار میلان ہم جنسی پر لحاف لکھا۔ لحاف میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے اگر ایک نوجوان اور شریف عورت ایک ہجڑے خاوند کے پلے باندھ دی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتی ہے''۔ [1]

اس طرح عصمت چغتائی نے چوتھی کے جوڑ میں مسلم گھرانے کی لڑکیوں کے شادی بیاہ کے مسائل کو بڑے موثر انداز سے پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں مسلم معاشرے اور تہذیب کے درد و کرب کو بڑے سلیقے سے لکھا ہے کیونکہ مسئلہ صرف گھر یا ایک خاندان کا نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلم گھرانے بالخصوص متوسط طبقے کے خاندانوں کا ہے۔ ہمارا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ہندوستان کی تمام

[1] نقوش۔ افسانہ نمبر، اردو افسانے میں روایت اور تجربے، وقار عظیم ، ص ۱۰۳۹۔

مسلم لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ہے۔ عصمت چغتائی نے اس مسئلے کو جس فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کیا وہ اپنی جگہ ایک نقش بن گیا ہے۔

چوتھی کے جوڑے میں ایک لڑکی کی معمولی سی کہانی میں عصمت چغتائی نے ایک معاشرے اور ایک تہذیب کے سارے درد اور ایک درد کی ساری ٹیسیں بھر دی ہیں۔ اس کہانی کو ایسے انداز سے پیش کیا ہے کہ حقیقت کا عکس ہمارے سامنے چھلکتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے سامنے ایک زندہ تصویر ہے۔

عصمت چغتائی کی شخصیت نہ صرف ایک اعتبار سے مستحکم ہے بلکہ دیگر تخلیق کاروں سے قدرے مختلف بھی ہے۔ انھوں نے سماجی اور معاشرتی زندگی کو صرف باہری کتابوں سے نہیں پڑھا بلکہ اپنے ہی گھروں کی نجی زندگی اور اس کے کرب و اضطراب کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔

بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگار کے انھوں نے خواتین اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر توجہ دی۔ ان کے ذہنی خلفشار کا ایک حد تک مطالعہ کیا وہ باقی ذہنوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسا ذہن بھی ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں جو بے پناہ حساس ہے۔ غرض یہ کہ عصمت کے خیالات کے منفرد امتیازات اپنا ایک علیحدہ امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کا انداز بیان ان کی تحریر نہایت صاف سلیس اور سبق آموز ہے۔ انھوں نے جتنے بھی افسانے اور ناول لکھے ہیں وہ سب اچھے اور دلچسپ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عصمت چغتائی نے اپنے دور میں شہرت عزت سبھی کچھ حاصل کیا ہے اور آج تک ان کو ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصمت چغتائی وہ پہلی افسانہ نگار تھیں۔ جنھوں نے اپنے افسانے کے اندر جنسی حقیقت نگاری کو موضوع بنایا۔ انھوں نے سادھا اور سلیس زبان میں سماج کی ان آلودگیوں کو ظاہر کیا جو انسانوں کی نظروں کے سامنے نہیں آتی تھیں۔ عصمت چغتائی جب افسانہ نگاری

کی طرف مائل ہوئیں تو انھوں نے ابتداء میں دوسرے افسانہ نگاروں سے متاثر ہو کر افسانے لکھے۔ لیکن بعد میں وہ خود ہی اپنے افسانے کے لئے منسوخ ہوگئی۔عصمت چغتائی نے خاص طور سے عورتوں کو اپنا موضوع قرار دیا۔ ان کی ذہنی کشمکش ان کی الجھنیں ان کی فطری کمزوریاں محبت اور نفرت وغیرہ کے پہلوؤں کے ساتھ ان کے جنسی مسائل کو بھی اپنی تحقیقات میں پیش کیا۔ اس طرح انھوں نے نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اور نئے جذبات و احساسات کا اسلوب اختیار کیا۔عصمت چغتائی کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کی سچائیوں کی تصویر پیش کرنے میں اچھائیوں کے اظہار کے ساتھ برائیوں کی تصویر پیش کرنے سے بھی نہیں کتراتیں۔عصمت چغتائی کو درمیانی طبقے کے گھریلو ماحول کی عورتوں کی بے بس زندگی پر ترس آتا ہے۔ اس طرح انھوں نے ان عورتوں کے بارے میں نہ صرف بے شمار اچھے افسانے لکھے بلکہ ڈرامے بھی قلم بند کئے ہیں۔ بحیثیت ایک افسانہ نگار انھوں نے خواتین اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر توجہ دی اور ان کے ذہنی خلفشار کو ایک حد تک قلم بند کیا ہے۔ عصمت نے سماج کو نئے زاویوں سے دیکھا اور ہر کردار کو اس کے اصل پس منظر میں پیش کیا۔ یہاں تک کہ ہر کردار کی گفتگو ان کے معاملات اور اس کے لب و لہجہ پر خاص توجہ دی۔عصمت چغتائی کے افسانے کا خاص طریقہ کار جنسی حقیقت نگاری ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر افسانے لکھے۔ جس میں جنسی اور سماجی حقیقت نگاری کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ عصمت کے ابتداء جنسی حقیقت نگاری سے ہوئی۔

یہ حقیقت ہے کہ عصمت چغتائی کے افسانے اتفاق سے اس دور میں منظر عام پر آئے جو جنسی اور معاشرتی الجھنوں کا دور تھا۔ سماج میں عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماج جہالت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تعلیم کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔ عورت ظلم و ستم سہتی تھی۔عصمت چغتائی کو ان تمام باتوں سے دلی تکلیف ہوتی تھی۔ اپنے افسانوں میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ایسا لگتا ہے کہ

جیسے وہ ایک حقیقت ہے۔

عصمت کا دوسرا اہم موضوع سماجی حقیقت نگاری ہے۔ عصمت گھریلو زندگی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے سماجی بندشوں کو توڑنے کا مکمل ارادہ رکھتی تھیں۔ جس میں وہ کامیاب بھی ہوئیں۔ کیونکہ انھیں حقیقت نگاری پر بھی ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں شمالی ہندستان کے متوسط طبقے کے افراد کی زندگیوں کے نقشہ کھینچے ہیں۔ اور فرسودہ رسم ورواج کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ عصمت نے سماجی اور جنسی حقیقت کے علاوہ دیگر موضوعات کو بھی اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ مثلاً فسادات قومی یکجہتی اور اشتراکیت وغیرہ۔ انھون نے ملک کی تقسیم اور آزادی کی جدوجہد جاگیرداری بے کاری اور سیاسی موضوعات کو بھی بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔

عصمت کی بصیرت نے انھیں ایسے الفاظ استعمال کرنے کا حوصلہ دیا۔ جو ان کے آس پاس کے ماحول میں موجود تھے۔ عصمت چغتائی کرداروں کے سلسلے میں اپنے خاندان اور اپنے قریبی حلقے کا انتخاب کرتی تھیں۔ مگر اس کے باوجود عورتوں اور مردوں کے کردار میں تفریق نہیں کرتی تھیں۔ انھوں نے ایسے کرداروں کو اپنے فن کا نمونہ بنایا۔ جو سماج میں معیوب تھے۔ عصمت چغتائی اپنے کرداروں سے بے حد محبت کرتی تھیں اور کبھی کبھی وہ خود کردار بن کر بولنے لگتی تھیں۔

عصمت چغتائی کی حیثیت عام افسانہ نگاروں کی طرح نہیں بلکہ ایک اچھی فن کار، ایک اچھی افسانہ نگار اور ہر دل عزیز کی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں کی منظر نگاری پر بھی توجہ دی ہے۔ وہ صبح کی روشنی چمکیلی فضاء شام کے سائے پیش نہیں کرتی۔ بلکہ ان کے افسانوں میں معاشرے کے معرکے ہیں۔ وہ اپنے موضوع کو جاندار بنانے کے لئے منظر کشی کرتی ہیں۔ وہ موضوعات اور مسائل جن کو پیش کرنے والا خود مسائل کی پیچیدگی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ عصمت نے اس مسائل میں اپنی تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فضائے آفرینی کی ہے اور یہ سچ ہے کہ اگر وہ منظر کشی کا سہارا نہ لیں تو خاص

کیفیت واقعاتی مسئلے کو گہرائی سے پیش کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے عصمت نے اپنے افسانوں میں مناظر کے ذریعہ پلاٹ کے بڑے حصے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ منظر کشی میں ان کا اپنا الگ اسٹائل ہے ایک نیا رنگ ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد حقیقت کا عکس جھلکنے لگتا ہے۔

عصمت نے اپنے یہاں افسانوں کی کردار نگاری کی منظر کشی کو اہمیت دی ہے اور مکالمہ نویسی کو بھی پیش کیا ہے بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی نے مکالمہ نویسی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کی مکالمہ نویسی سے بے حد تقویت نصیب ہوتی ہے۔ وہ مکالموں میں نسبتاً بے باکی کا مظاہر کرتی چلی جاتی ہیں۔ عصمت کے تمام افسانے و مکالمے ان کی فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انھوں نے مکالمے مختصر اور جامعہ انداز میں پیش کئے ہیں۔

اردو ناول نگاری کے فن کو عصمت چغتائی نے فن کارانہ اظہار کی جرأت عطا کی اور حقائق حیات ان کے ناول کا موضوع ہیں۔ انھوں نے زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کے اظہار میں رسمی تکلفات کی روکاوٹوں کو قبول نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ ان پر اظہار کی برہنگی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ان کے یہاں بے باکی اور بے تکلفی تو ہے لیکن ایسی نہیں کہ اسے برہنگی یا فحاشی تصور کیا جائے۔ کیونکہ فن سے فن کار کی شخصیت کا گہرا تعلق اور رشتہ ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عصمت چغتائی نے پہلی مرتبہ ناول نگاری کے لئے ایسا راستہ منتخب کیا۔ جو جانا پہچانا نہ تھا۔ عورت ہونے کے باوجود انھوں نے جنسی مسائل پر لکھا۔ انسانی زندگی سے وابستہ حقیقتوں کو بے باکی کے ساتھ پیش کیا۔ واقعیت اور صداقت پر مصلحت کا غلاف چڑھایا اور ایک ایسا طرز اختیار کیا جو متوجہ کرنے والا تو ہے مگر تلذز کی جگہ جنسی پیچیدگی الجھنوں کے سلسلہ میں تنفر پیدا کرتا ہے۔ بقول آلِ احمد سرور :

''عصمت چغتائی نے ہندوستان کے متوسط طبقے اور مسلمانوں کے شریف

خاندانوں کی بھول بھلیاں کو جس جرأت بے باکی سے بے نقاب کیا ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں وہ اپنے اندر باغی کا ذہن ایک شوخ عورت کی طاقت لسانی اور ایک فن کار بے لاگ اور بے رحم نظر رکھتی تھیں۔ وہ عورت ہیں مگر اس سے زیادہ ایک فن کار ہیں۔'' [۱]

ادبی حلقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ عصمت چغتائی نے اپنے ناول کے اندر خواتین کے جذبات ،احساسات، ان کی مجبوریوں اور ان پر ہونے والے ظلم وستم کو پیش کر کے ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان کے ناولوں میں بالخصوص کرداروں کو زیادہ ابھارنے اور روشن کرنے کی کامیابی ہے۔ وہ ایک عورت ہیں اس لئے عورتوں کی مکمل موثر ترجمانی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے کرداروں میں خارجی پیکر کی تشکیل کے ساتھ ان کی اندرونی شخصیتوں کی تعمیر کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ مثلاً ٹیڑھی لکیر اور معصومہ وغیرہ ناول جس کی مثال ہیں۔ اس میں انھوں نے بہت اچھے انداز سے کرداروں کو ابھارا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک کامیاب ناول سودائی ہے اس میں انھوں نے نفس اور موضوع کے اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے افراد کا ذکر کیا ہے۔ جن کی بنیادی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ بظاہر شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ لیکن اخلاقی اعتبار سے بالکل پست ہے لہٰذا وہ اپنی جھوٹی شرافت اور جھوٹی عزت عیاری اور مکاری کے بل بوتے سماج کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔ عصمت چغتائی اس ناول کے اندر یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ایک اچھے خاندان کے لوگ دوسروں کو کس طرح برباد کر دیتے ہیں۔

بہر کیف یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عصمت چغتائی کے ناولوں کی واقعہ نگاری بہت جچی تلی ہے ان کے ربط و ضبط میں خاصا اہتمام نظر آتا ہے۔ ہر واقعات دوسرے واقعات کے متعلق نظر آتے ہیں۔ بالخصوص ناول کے واقعات کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی محرک ضرور موجود ہوتا ہے۔ جن کا تعلق زندگی

[۱] تنقیدی اشارے، آل احمد سرور، ص ۴۲۔

کی صداقتوں سے ہوتا ہے۔ان کے ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ واقعات کو جیسے پلاٹ میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ واقعات خود بہ خود آگے بڑھتے ہیں۔اور ہر نیا واقعہ راہیں ہموار کرتا نظر آتا ہے۔عصمت چغتائی اپنے ناولوں کی پلاٹ کی ترتیب میں فن کارانہ شعور سے بھر پور مدد لیتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ خاص احتیاط رکھتی ہیں۔لہٰذا عصمت کے ناولوں کے پلاٹ میں مقصدیت اور آفادیت کا پہلو موجود ہے۔غرض یہ کہ عصمت چغتائی کے ناول کی زبان نہایت ~~سادہ~~ سلیس اور سبق آموز ہوتی ہے جس کو پڑھنے کے بعد لطف اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ انھوں نے زندگی کے انوکھے پہلوؤں کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ حقیقی منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ان کے ناولوں میں واقعات کا بے روک ٹوک بہاؤ یا ایک فطری تسلسل ملتا ہے۔لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی ایک ایسی فن کار اور ایک ایسی ناول نگار تھیں۔جنھوں نے ادب میں خواتین کے مسائل کو ابھار کر رکھ دیا۔اور انھوں نے جو کچھ لکھا وہ سبق آموز لکھا۔یہی وجہ ہے کہ خواتین ناول نگاروں میں عصمت چغتائی کا نام سرفہرست ہے۔

عصمت چغتائی اردو کی مایہ ناز اور بلند پائے کی ادیبہ تھیں۔اردو فکشن کے میدان میں انھوں نے گرانمایہ کارنامے انجام دیئے۔جس کی بدولت انھیں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔انھوں نے نئے نئے افسانوی ادب کی ترجمانی جس انداز سے کی اسے دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں افسانوی ادب کے معماروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ادب کی افسانوی دنیا میں عصمت کی حیثیت نرالی اور بلند ہے میرے خیال میں تو عصمت نئے افسانوی ادب کی ترجمان کہی جاسکتی ہیں۔

انھوں نے سماجی میلانات کی طرف بھی توجہ مرکوز کرائی ہے جس کے منفی اثرات حیات انسانی پر مرتسم ہوتے رہتے ہیں۔عصمت چغتائی نے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو منفی تصورات میں انسانی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔عصمت نے اپنی باغیانہ روش کے تحت جو طرز فکر اپنایا وہ

انسانی دنیا میں ایک نئی جہت کو روشن کرتا ہے۔ان کا فن خلوص اور جدید لب ولہجہ ہمارے ادب میں ایک قیمتی سرمایہ ہے۔انھوں نے سماجی، سیاسی، اقتصادی مسائل اور تہذیبی اور ثقافتی میلانات کو اپنے مخصوص زاویہ نظر سے دیکھا اور اسے مختلف پہلوؤں سے پیش کیا۔بہر کیف حقیقت کچھ بھی ہو میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ عصمت چغتائی نے پہلی مرتبہ ہماری تہذیبی ثقافتی داخلی اور خارجی زندگی کی اعلیٰ قدروں کو محسوس کیا۔اور اسے اپنے فنی شعور سے لازوال بنادیا۔عصمت وہ خاتون فکشن نگار ہیں۔جنھوں نے نہ صرف فکشن میں اپنا مقام بنایا بلکہ اردو فکشن کو نئے نئے تجربات سے نوازا اور اس کے اوصاف کو قلم بند کیا۔انھوں نے پہلی بار مسلم متوسط گھرانوں کی بے چینیوں کی مصوری کی ہے اور ملک کے جیتے جاگتے ماحول کو حقیقی انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اوراق ادب کے مطالعے کے بعد میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ عصمت بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگار اور ناول نگار کے وہ ایک اچھی ادیبہ بھی تھیں۔انھون نے اپنے اسلوب کے ذریعے بلند مقام حاصل کیا۔ان کی تحریروں میں شوخی نزاکت وسعت سبھی کچھ شامل ہے۔ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھیں انفرادیت کے سبب بہت عروج حاصل ہوا ہے۔انھوں نے اپنی تحریروں میں صاف اور سلیس زبان کا استعمال کیا۔انھوں نے جتنے بھی ناول اور افسانے لکھے اس میں متوسط گھرانوں کی خواتین کے اوپر نظر ڈالی ہے۔ان کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے کردار کو اصل پس منظر میں پیش کیا ہے۔کردار کی گفتگو کے لب ولہجہ اور اس کی نقل وحرکت اور معمولات سے اس کو زیادہ دلچسپ بنادیا ہے۔ان کے ناول اور افسانوں کے اندر حقیقت کا عکس نظر آتا ہے۔انھوں نے اپنی بات کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ سماج کی تمام برائیاں معاشی مسائل اور معاشرتی تبدیلیاں ابھر کر ہمارے سامنے آگئی ہیں۔

عصمت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے متوسط گھرانوں کی ایک خاص عمر کی لڑکیوں

کی زندگی کی ترجمانی کو اپنا موضوع بنایا ہے جس کی ترجمانی میں انھیں وہ مہارت حاصل ہے کہ بقول ماہرین نفسیات کے اس خاص عمر کے متعلق وہ جھلک نظر نہیں آتی جو عصمت کے افسانوں میں ملتی ہے۔

عصمت چغتائی کے ناول اور افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں سیاست مذہب ، زمینداری ہندو مسلمان ان کی باہمی لڑائی نوجوان ، غنڈے ہندوستانی گالیاں اور غربت سبھی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب چیزوں کے ذکر میں نہ صرف شوخی ، لطافت مشاہدہ کی باریکی اور گہرائی ہے بلکہ طنز کی بارش بھی ہے وہ خوبصورتی کے ساتھ وہ جو کچھ بیان کرتی ہیں گو کہ تفصیل سے نہیں ، چلتے ہوئے معمولی سے فکرے میں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں فلسفے کی گہرائی کو نمایاں کر دیا ہے کہ پڑھنے والا کبھی کبھی اس فکرے سے بھڑک بھی جاتا ہے اور تلملا بھی اٹھتا ہے۔ یہ چلتے ہوئے معنوم فکرے نہ صرف عصمت کے فن کا سب سے لطیف پہلو ہیں بلکہ ان کے طنز کا سب سے تیز اور شوخ حربہ بھی ہیں۔

عصمت کی بے باک ذہانت اور قدرت اظہار نے سماج کا ایک باغی ذہن قرار دے دیا تھا۔ اس کی وجہ سے عصمت نے سماج میں پھیلی جنسی بے راہ روی کو اپنے افسانوں میں اس طرح جگہ دی ہے کہ وہ پوری طرح بے نقاب ہو کر منظر عام پر آجاتے ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں حقیقت بیانی کو اس کا سد باب سمجھتی ہیں۔ صرف بھول بھلیاں پر بھروسہ نہیں رکھتی ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ جب تک برائی کو اس کی اصل صورت میں نہ پیش کیا جائے اس وقت تک اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ بحیثیت ایک افسانہ نگار ان کی مقبولیت کا راز اس بات پر مضمر ہے کہ انھوں نے اس بات کی پروانہ کی کہ انھیں اپنے عہد کے حقائق بیان کرنے کی کیا سزا ملے گی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو فکشن کی عمر اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن اسے وقیع اور پروقار بنانے میں جن معماروں کے نام ہمیشہ زندہ رہیں گے ان میں عصمت چغتائی کا نام بھی شامل

ہے۔عصمت چغتائی کے ہر کردار کی گفتگو اس کی نقل وحرکت اس کے معمولات اور اس کا لب ولہجہ نقل مطابق اصل ہے۔انھوں نے فکشن کو بے باکی عطا کی اور جنسی مسائل پر مختلف زاویوں سے بحث کی۔ لیکن ان پر جنسی لذت اندوزی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔وہ جو کچھ لکھتی تھیں اسے ادبی رنگ میں پیش کر دیتی تھیں۔اسی وجہ سے وہ اردو فکشن میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

✦✦✦

ISMAT CHUGHTAI KI FICTION NIGARI KA TANQEEDI JAIZA

ABSTRACT

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

URDU

BY

TALAT MAH

Under the Supervision of

DR. M. SAGHIR BEG

DEPARTMENT OF URDU
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2002

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ

مقالہ

برائے پی-ایچ-ڈی-(اردو)

نگراں

ڈاکٹر محمد صغیر بیگ

مقالہ نگار

طلعت ماہ

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۰۰۲ء

T- 5965

T5965

بسم الله الرحمن الرحيم

انتســــــــاب

امی

اور

پاپا

کے نام

DEPARTMENT OF URDU
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH-202002

Phone : 366 (Internal)

Dated : 22 – 12 – 2002

Certificate

This is to certify that the Thesis entitled ***"Ismat Chughtai Ki Fiction Nigari Ka Tanqeedi Jaiza"****, is the bonafide work carried out by* ***Miss. Talat Mah*** *under my supervision and guidance. She is allowed to submit the Thesis for the award of Ph.D. Degree in Urdu from the Department of Urdu, Aligarh Muslim University, Aligarh.*

Saghir 22/12

(Prof. Qaiser Jahan)
Chairperson

(Dr. Saghir Afraheim)
Supervisor

فہرست

ابتدائیہ ..... i-iv

باب اول : عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا پس منظر ۱-۲۲

باب دوم : عصمت چغتائی بحیثیت افسانہ نگار ۲۳-۵۲

جنسی حقیقت نگاری، سماجی حقیقت نگاری، کردار نگاری

رومانیت، منظر نگاری، مکالمہ نویسی

باب سوم : عصمت چغتائی بحیثیت ناول نگار ۵۳-۸۳

کردار نگاری، فضا آفرینی

واقعہ نگاری، پلاٹ وغیرہ

باب چہارم : عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ ۸۴-۱۱۶

باب پنجم : منتخب افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ ۱۱۷-۱۵۸

لحاف، دو ہاتھ، گیندا، چھوٹی آپا، چوتھی کا جوڑا

جڑیں، بھول بھلیاں، نفرت، جوانی، سونے کا انڈا

کلو کی ماں، بے کنڈے کی پیالی، بیمار، نوالہ

حاصل مطالعہ ۱۵۹-۱۷۰

کتابیات ۱۷۱-۱۷۶

ابتدائیہ

ابتدائیہ

فکر وفن کی دنیا میں تحقیق بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کام میں قلم کار کو کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کوئی بھی بڑا کام اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک کہ انسان اپنی یکسوئی اور لگن کا مظاہرہ نہ کرے۔ ضرب المثل بھی ہے کہ کامیابی سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہوتی۔ یہی معاملہ تحقیق کے کام میں مصروف لوگوں کا ہوتا ہے۔ جو بالآخر اپنی جدو جہد کے نتیجے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

میرے تحقیقی مطالعہ کا موضوع ''عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ''۔ عصمت چغتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اس زمانے میں اور اس سے چند سال قبل اردو ادب میں کچھ اہم اور نتیجہ خیز تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں اور فکشن میں حقیقت نگاری کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔ مارکسی تحریک کے زیر اثر سرمایہ دار طبقے کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثر سے ایک طرف نوجوانوں میں جھوٹی مذہبیت اور اخلاق کی بے جا بندشوں سے آزادی حاصل کرنے کا رجحان بڑھ رہا تھا تو دوسری طرف علم نفسیات سے گہری دلچسپی کی وجہ سے ان کی توجہ انسانی نفسیات کی طرف مبذول ہوئی جس کے نتیجے میں جنس کو ایک موضوع کی حیثیت حاصل ہوئی۔ جنسی حقیقت نگاری کے ذمن میں عصمت چغتائی کا نام بے حد اہم ہے۔

میرا یہ تحقیقی مقالہ عصمت چغتائی کے علم و ادب کی خدمات کا ضامن ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ محترمہ کی ادبی خدمات کو وضاحت کے ساتھ جامع الفاظ میں پیش کروں۔ ان کے افسانے جنسی حقیقت نگاری کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں کا موضوع جنس ہے۔ اور انھوں نے اس کا اظہار اس قدر بے باکی سے کیا ہے کہ آگے چل کر فحاشی کے الزام میں ان پر مقدمہ بھی چلایا گیا۔ عصمت نے حقیقت کی تلاش صرف اس حد تک نہیں کی کہ زندگی کا نقشہ پیش کیا۔ بلکہ انھوں نے افراد کی

اندرونی ذات میں اتر کر یہ بھی دیکھا کہ یہ زندگی ایسی کیوں ہے۔

عصمت کے تخلیقات کا موضوع عام طور سے متوسط مسلم گھرانے کی لڑکیوں کی جنسی زندگی ہے۔ اس جنسی زندگی کی پیش کش میں عصمت نے اگر ایک طرف علم نفسیات سے فائدہ اٹھایا ہے تو دوسری طرف اس طبقے کی جنسی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ عصمت کا گھریلو ماحول جہاں ان کی پرورش ہوئی ان کے اس رجحان کی نشو ونما میں معاون ثابت ہوا ہے۔

عصمت کی انفرادیت ان کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کے انداز بیان میں بھی ہے۔ جس میں طنز ہے۔ تیکھا پن ہے، باغیانہ لہجہ ہے۔ دوٹوک بات کہنے کا انداز ہے، انھوں نے ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہنے کے باوجود اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔ فکشن کو ایک نئی راہ دکھائی اور فکشن نگاروں کی ایک پوری نسل کو متاثر کیا ہے۔

اس مقالہ کے تعلق سے جتنا مواد اور ماخذ بسیار کوشش کے بعد مجھے دستیاب ہوا، اس کی بنیاد پر اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب سماج جہالت کے پھندے میں جکڑا ہوا تھا۔ اور خاص کر نسوانی طبقہ سماجی ظلم وستم کا شکار ہو رہا تھا، ان کو کوئی آزادی نہیں تھی۔ تعلیم حاصل کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اس وقت عصمت نے سماج کی یہ حالت دیکھ کر اس کے لئے جدوجہد کی اور اپنا قلم اٹھایا کہ خواتین کو بھی صحیح زندگی گزارنے کا موقع ملنا چاہئے۔ عصمت چغتائی کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جس سے ان کا ذہن بچپن سے ہی آزاد اور روشن خیال تھا۔ عصمت چغتائی نے زیادہ تر ذہنی پسماندگی اور سماجی برائیوں کو اپنے قلم کا نشانہ بنا کر انھیں بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مقالے کے دوسرے باب میں عصمت چغتائی کا ذکر بحیثیت افسانہ نگار کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم افسانہ نگار تھیں۔ انھوں نے سماجی بغاوت کے ساتھ ساتھ ادبی روایت سے بھی انحراف کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو فکشن میں وہ سنگ میل کی حثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے اردو افسانوں کو نیا موڑ دیا۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں

نے خواتین کی تعلیم خصوصاً مسلم معاشرے کے مخصوص مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ نسوان طبقہ کو بھی اس دنیا میں اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا دوسرے طبقہ کو انھوں نے اپنے افسانوں میں نسواں طبقہ کی تعلیم پر زور دیا اور بتایا کہ تعلیم یافتہ عورتیں جاہل عورتوں کے مقابلے میں گھر کا نظم ونسق اچھی طرح کر سکتی ہیں۔

اس مقالے کے تیسرے باب میں عصمت چغتائی ناول نگار کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ بحیثیت ناول نگار انھوں نے لڑکیوں کی نفسیاتی الجھنوں اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ انھوں نے ان برائیوں کو کھل کر بے نقاب کیا۔ انھوں نے فن کو فنکارانہ اظہار کی جرأت ہی عطا نہ کی بلکہ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو بیان کیا۔ ان کے ناولوں میں بے باکی اور بے تکلفی ملتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ عصمت نے پہلی بار ناول نگاری کے لئے جو راستہ منتخب کیا وہ جانا پہچانا نہ تھا۔ عورت ہونے کے باوجود جنسی مسائل پر کھل کر لکھنا اتنا آسان بھی نہ تھا۔ لیکن عصمت نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے کامیابی کے ساتھ اس طرف قدم اٹھایا۔

اس مقالے کے چوتھے باب میں عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ عصمت کے افسانے اور ناول واضح طور پر اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ وہ سب اخلاق کے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں۔ انھوں نے یو۔ پی کے متوسط طبقے کی زندگی کو قریب سے دیکھا و پرکھا۔ اس میں جو پیچیدگی اور گھٹن ان کو نظر آئی اس کو بڑے لطیف اور ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا۔ عصمت نے زندگی کے ہر چھوٹے اور اہم واقعے کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ عصمت نے جس دور میں ناول اور افسانے لکھنا شروع کئے وہ دور معاشی الجھنوں کا دور تھا۔ عورت برسوں سے جس استحصال سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھی، عصمت نے نفسیاتی تجربے اختیار کر کے اس کی راہیں ہموار کر دیں۔

اس مقالے کے پانچویں باب میں منتخب افسانوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور آخر میں عصمت کی فنکارانہ عظمت کا تعین کیا گیا ہے۔ حاصل مطالعہ کے بعد کتابیات میں ان کتب ورسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن سے مقالے کی ترتیب وتشکیل کے دوران مدد لی گئی ہے۔

اس مقالے کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے میں صدر، شعبہ اردو، پروفیسر قیصر جہاں صاحبہ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتی ہوں جن کے مشفقانہ سلوک، حوصلہ افزا کلمات اور گرانقدر مشورے نا قابل فراموش ہیں۔

یہ مقالہ استاد مکرم ڈاکٹر صغیر افراہیم صاحب کی نگرانی میں مکمل ہوا ہے جنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اپنا قیمتی وقت دیا اور میری رہنمائی فرمائی۔ اس کے لئے بہ صمیم قلب اظہار تشکر کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی ہوں۔

طلعت ماہ

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو

علی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۲۲ر دسمبر ۲۰۰۲ء

باب اول

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا پس منظر

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا پس منظر

عصمت خانم چغتائی عرف چُغی ادبی حلقہ میں عصمت چغتائی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انھوں نے اپنے باون سالہ ادبی سفر میں سات افسانوی مجموعے، آٹھ ناول کے علاوہ کئی اہم مضامین لکھے ہیں۔ ان کی ہشت پہل شخصیت ادبی افق پر ایک ہیرے کے مانند جگمگا رہی ہے۔ عصمت چغتائی کی پیدائش ۲۱ راگست ۱۹۱۵ء کو بمقام بدایوں میں ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام نصرت خانم اور والد کا نام مرزا نسیم بیگ چغتائی تھا۔ عصمت کا آبائی وطن آگرہ تھا۔ ان کے والدین کثیر العیال تھے۔ جن کی بارہ اولادیں تھیں۔ ان میں دو کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ عصمت چغتائی کا خاندان تعلیم یافتہ تھا۔ والد بی۔ اے۔ کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے جج کے عہدے پر رٹائر ہوئے۔ عصمت کے والد نہ صرف تعلیم یافتہ تھے بلکہ روشن خیال شخص بھی تھے۔ انھوں نے اپنی سبھی لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دینے کی کوشش کی۔ جسکی خاندان والوں نے پرزور مخالفت ہی نہ کی بلکہ جلد از جلد شادیاں بھی کرادیں۔ عصمت چغتائی کو بارہ، تیرہ سال کی عمر میں قرآن شریف مکمل کرنے کا شرف حاصل تھا۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عبد اللہ گرلس کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں سے انھوں نے بی۔ اے۔ پاس کرنے کے بعد نوکری کر لی۔ حالانکہ ان کے گھر اور خاندان والے اس کے خلاف تھے۔ لیکن پھر بھی عصمت چغتائی اپنی ضد پر قائم رہیں۔

عصمت ضدی اور ہٹیلی ہونے کہ وجہ سے اپنے فطری رجحان کے مطابق کام کرنے کی عادی تھیں۔ بڑے بھائیوں کی صحبت میں پلی بڑھی، ان کے ساتھ ہی کھیل کود میں حصہ لیا کرتی تھیں۔ اس لئے وہ اپنی بڑی بہنوں سے مزاج اور رویے میں مختلف تھیں۔ عصمت اپنے بہن بھائیوں کے مقابلے

بے باک اور منھ پھٹ تھیں۔ اسی وجہ سے ان کے والدین ان کے مستقبل کے بارے میں ہمیشہ تشویش رکھتے تھے۔

عصمت نے جب ہوش سنبھالا تو ان کی تینوں بڑی بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اب عصمت اپنے پانچ بڑے بھائیوں میں اکیلی بہن تھی۔ جب بھائیوں کے مقابل کسی معاملے میں ان کی حق تلفی ہونے لگتی تو وہ سیدھی اپنے والد سے دادرسی کے لئے رجوع کرتی اور انھیں انصاف ملتا۔ والد کی پشت پناہی ان کے لئے بڑا سہارا تھی وہ بیٹیوں کے حق میں کبھی تخصیص روا نہیں رکھتے تھے۔

گھر کے اس ماحول اور ان کی تربیت کے اس انداز نے عصمت کی فطرت میں بچپن ہی سے بیباکی، بے تکلفی یہاں تک کہ خودسری، ضد اور باغیانہ رویے کو فروغ دیا۔ اور وہ ایک مخصوص سانچے میں ڈھل گئی جو ان کی پہچان بن گئی۔ اس باغیانہ رویے نے ان میں انسانی حقوق بالخصوص نسوانی حقوق کا احساس بیدار کیا۔ جس کی شدت وحدت وقت کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوتی چلی گئی اور جس کا اظہار وہ شعوری اور لاشعوری طور پر اپنی تحریر و تقریر میں برملا کرتی رہیں۔

اتنے بڑے کنبے میں عصمت اپنے محاذ پر تن تنہا تھی ان کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ مدد و معاون نہ تھا۔ ایک روز انھوں نے وضو کیا۔ فجر کی نماز پڑھی۔ خاموش دعائیں مانگی۔ انھیں یوں لگا کہ ناامیدی میں بھی کوئی نامعلوم غیبی طاقت ان کا ہاتھ تھامے ان کی ہمت بڑھا رہی ہو وہ مونڈھے پر بیٹھی اماں ابا کو باری باری نگاہوں کے ترازو میں تول رہی تھیں۔ شاید ابّا میاں نے ان پر کوزعصمت کی نگاہوں کی حدت محسوس کی اور انھوں نے ان پر ایک نگاہ غلط انداز میں ڈالی مگر دونوں کی آنکھیں ٹکرا گئیں۔ عصمت نے پلک تک نہ جھپکی اور نہ ان میں اپنے والد کی بڑی بڑی روشن اور بارعب آنکھوں کی تاب لانے کا دم تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے والد جس عاری مجرم کی طرف بھی نظر بھر کر دیکھتے وہ پانی پانی ہو جاتا اور اسے اعتراف جرم کئے ہی بنتی تھی۔

عصمت نے بچپن ہی سے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کے بنا پر عورت کی پسماندگی، بے

بسی اور لاچاری دیکھی اس نے انھیں بری طرح متاثر کیا۔ وہ اپنے فن کے توسط سے اس کے حق میں مجاہدانہ جوش وخروش کے ساتھ آواز بلند کرنے لگیں اور ان کی بلند بانگِ صدائے حق آخری دم تک رہ رہ کر ابھرتی رہی ان کے سارے فن میں آپ کو متوسط طبقے کی مسلمان خاتون کی زندگی کے ہر پہلو کی محرومیوں کا بڑا موثر ذکر ملے گا اور لطف یہ ہے ان کے فن میں تبلیغ کا شائبہ نہیں ملتا۔ انھوں نے تبلیغ بھی کی تو اس حسن وخوبی سے کہ فن پر آنچ نہ آنے دی۔ وہ کہیں مصلح اور مبلغ کے طور پر بھولے سے بھی سامنے نہیں آتیں۔ انھیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی بدحالی کا بنیادی سبب اس کی اقتصادی غلامی ہے۔ اس سے اسے تبھی نجات مل سکتی ہے۔ جب وہ پڑھ لکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ چار دیواری میں مجبور ناخواندہ عورت روزی روٹی کی خاطر اپنے شوہر سے بھلے وہ کتنا ہی نکما اور نااہل ہو چمٹے رہنے کو ہی قرین مصلحت سمجھتی ہے چنانچہ عصمت اس بارے میں لکھتی ہیں۔

> ''ایک لڑکی اگر اپنے وارثوں کا صرف اس لئے حکم مانتی ہے کہ اقتصادی طور پر مجبور ہے تو وہ فرمانبردار نہیں دھوکا ضرور ہو سکتی ہے ایک بیوی شوہر سے صرف اس لئے چپکی رہتی ہے کہ روٹی کپڑے کا سہارا ہے تو وہ طوائف سے کم مجبور نہیں اس مجبور عورت کی کوکھ سے مجبور اور حکم ذہنیت انسان ہی جنم لے سکیں گی۔ جب تک ہمارے ملک کی عورت مجبور لاچار ظلم سہتی رہے گی ہم اقتصادی اور سیاسی میدان میں احساس کمتری کا شکار بنے رہیں گے۔[1]

عصمت چغتائی کا ذہن بچپن ہی سے خاندانی رسم ورواج کے قیود سے آزاد تھا۔ جسے بڑھتے ہوئے شعور نے جلا بخشی اور بغاوت کی طرف مائل کیا۔ اور پردہ کرنا بھی ترک کر دیا۔ اسی لئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ان کی تعلیم کے ذوق وشوق نے انھیں ایک بہت بڑا افسانہ نگار، ایک اچھا مصنف اور

---

[1] عصمت چغتائی، غبارہ کارواں (مضمون) ماہنامہ 'آج کل' نئی دہلی (نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۱)

شہرت پانے والی ناول نگار بنادیا۔ لکھنے پڑھنے کا شوق انھیں طالب علمی کے زمانے ہی سے تھا۔ ہندوستانی ادیبوں کے علاوہ روسی اور فرانسیسی ادیبوں کو بھی بڑے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھتی تھی۔ جس کے باعث ان کے خیالات وافکار میں کافی وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ انگریزی ادب اس زمانے میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس میں وہ سب کچھ موجود ہوتا تھا جو ایک باذوق اور حسّاس قاری کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ عصمت نے انگریزی ادب کا مطالعہ خوب جم کر کیا اور اسی زبان کے ذریعہ انھیں اپنے اسلوب میں جدّت طرازی کے مواقع ملے۔ ان دنوں اردو لکھنے والوں میں اصلاح کا جذبہ زیادہ تھا۔ ان کے اندر قومی بیداری آچکی تھی۔ یعنی اردو ادب پورے طور پر اصلاحی بن چکا تھا۔ یہی زمانہ تھا جب اردو کے مشہور افسانہ نگار ابھرے تھے۔ پریم چند کی تخلیق اور ان کی شخصیت سے عصمت بہت زیادہ متاثر تھی۔

عصمت نے تمام مذاہب کا بہت گہرا مطالعہ کیا۔ اور وہ ہر ایک مذہب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے قرآن شریف کے ساتھ ساتھ گیتا کو بھی اپنے مطالعہ میں خصوصیت کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ مذہبی رہنماؤں سے بے زار نظر آتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ مذہبی رہنما ہی مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ اور اس کی وسعت کو محدود کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں چونکہ ذرّے ذرّے میں خدا ہے اس کا جلوہ پتھر میں بھی ہے پہاڑوں میں بھی اور دریاؤں میں بھی ہے۔ خدا کا نور ہر ایک شے میں نظر آتا ہے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ بدھ اور جین مذہب سے متاثر تھیں۔

عصمت جودھ پور کی ملازمت ترک کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء میں بمبئی آگئی تھیں۔ بمبئی میں ان کے ماموں زاد بھائی ڈاکٹر عثمانی رہتے تھے ان کی کوششوں سے عصمت کو میونسپل اسکول کی انسپکٹریس کا عہدہ مل گیا۔ کچھ عرصہ بعد انھیں سپرنٹنڈنٹ آف میونسپل گرلس اسکول کا عہدہ ملا جسے انھوں نے بخوبی سنبھالا۔ اور پھر بمبئی ہی میں شاہد لطیف صاحب سے ۱۹۴۲ء میں ان کی شادی ہوگئی۔

بمبئی آنے کے بعد عصمت چغتائی ترقی پسند گروہ میں شامل ہوگئی۔ اس گروہ میں شامل ہونے

کے بعد ان کے قلم میں اور بھی طاقت آ گئی۔ اور لکھنے کا موقع بھی خاطر خواہ ملا، یہی وہ زمانہ ہے جب انھوں نے فلم کے لئے لکھنا شروع کیا۔ اس ضمن میں انھیں اچھے سے اچھے مواقع ہاتھ آئے۔ اور انھوں نے خوب لکھا۔ پہلی فلم کا نام ''چھیڑ چھاڑ'' جس کے پروڈیوسر کے۔ آصف تھے۔ یہ فلم ۱۹۴۲ء میں بنی۔ شاہد لطیف نے انھیں اپنے بھرپور تعاون سے نوازا۔ عصمت نے خود بھی فلمیں بنائی تھیں۔ جیسے فریب، دروازہ، ضدی، سونے کی چڑیا، آرزو، لالہ رخ، سوسائٹی، بزدل، لیکن سب بری طرح ناکام ہو گئیں۔ اور سارا پیسہ ڈوب گیا۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں یونس اگاسکر کو بتایا کہ :

> ''میں نے چودہ پندرہ کہانیاں، ڈائیلاگ اور سیناریو لکھے۔ کوئی زیادہ خدمت دوست نہیں کی بلکہ اپنی خدمت کی زیادہ تر اپنے گزارے کے لئے میں نے لکھا۔ صرف افسانے لکھ کر تو میں اپنا گزارہ نہیں کر سکتی۔ میگزینوں میں اور اخباروں میں لکھ کر تو میرا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ میرے لئے فلم ایک ذریعۂ آمدنی ہے۔ میں نے کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی۔ صرف سونے کی چڑیا، ضدی، اور دروازہ۔ لیکن ہماری فلمیں نہیں چلیں اس لئے ہم ختم ہو گئے''۔ [۱]

عصمت کو سب سے زیادہ ناپسند جھوٹ تھا۔ زندگی میں انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور نہ کسی کو جھوٹ بولتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔ کیونکہ انھیں جھوٹ سے بہت نفرت تھی بقول کرشن چندر :

> ''عصمت کو جھوٹ سے، فریب سے مکاری اور دھوکے سے بے حد نفرت ہے''۔ [۲]

انھوں نے بڑے بڑے فلاسفروں اور ادیبوں اور عظیم انسانوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ اور انھیں پڑھا بھی اپنے ملک کے شاعروں اور ادیبوں کو بھی پڑھا مثلاً پریم چند اور ٹیگور وغیرہ۔ لیکن ان

---

۱ شاعر، بمبئی، عصمت چغتائی سے ایک ملاقات، از یونس اگاسکر ص ۱۸۔

۲ کتاب لکھنؤ، شمارہ (۹) عنوان، میرے ہمدم میرے دوست (عصمت چغتائی) از کرشن چندر، ص ۵۳۔

کے پسندیدہ شاعر کبیر داس تھے۔ کبیر داس کے فلسفہ زندگی نے انھیں بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ کیونکہ ان کی شاعری میں انسانی دوستی کا سبق ملتا ہے ان کے علاوہ امیر خسرو سے بھی زیادہ متاثر تھیں۔ امیر خسرو کی ہندی اور فارسی کی ملی جلی شاعری انھیں بہت زیادہ پسند تھی۔ کیونکہ خسرو کی شاعری محبت اور رواداری کا پیغام دیتی ہے۔

دنیا میں رائج سبھی مذاہب کو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں ہر ملک اور قوم کے فلاسفر اور فن کار انھیں پسند تھے ان کا ضمیر بہت صاف تھا۔ لیکن زندگی میں وہ کسی اصول کی پابند نہیں رہیں۔ جسے انھوں نے چاہا اسے اپنایا اور جس اصول کو توڑنا چاہا اسے توڑ دیا۔ دوستوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتی تھیں۔ انھوں نے کبھی کسی کو خفا نہیں ہونے دیا۔ اکثر فلم والے ان کے پیسے دبا لیتے اور دوسرے طریقہ سے بھی تکلیف پہنچاتے۔ برخلاف اس کے انھوں نے اپنی ذات سے دانستہ کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ دشمن سے بھی ان کا برتاؤ وہی رہا جو ایک دوست سے رہتا ہے۔

یوں تو عصمت نے کم سنی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور ابتداً انھیں مروجہ موضوعات پر خامہ فرسائی کی، جس سے لذّت حاصل ہو سکے۔ ان ہی کے الفاظ میں:

> ''میں نے چودہ پندرہ برس کی عمر ہی میں لکھنا شروع کر دیا تھا اوٹ پٹانگ اور رومانٹک کہانیاں لکھا کرتی تھی جس میں عشق و محبت اور چومنے چاٹنے کی باتیں ہوا کرتی تھی۔ میں نے ان کہانیوں کو ضائع کر دیا۔ بہر حال لکھنے کا شوق مجھ کو پہلے سے تھا۔'' [1]

لکھنے کا شوق انھیں وراثتاً ملا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے خود ہی بتایا ہے کہ میرے جدِّ امجد چنگیز خان کے دو بیٹے تھے۔ ایک ہلاکو خاں ایک چغتائی خاں۔ میرے خاندان والوں بالخصوص کرنھیال والوں کا کہنا تھا کہ ہلاکو خاں تو تلوار کا دھنی تھا اور چغتائی خاں قلم کا۔ چنانچہ چغتائیوں

---

[1] شاعر، بمبئی شمارہ، عصمت چغتائی سے ایک ملاقات، از یونس اگاسکر، ص ۱۳۔

میں لکھنے کا شوق زیادہ پایا جاتا ہے۔ میرے نانا نے ایک ناول لکھی تھی۔ 'رزم بزم' میرے بڑے بھائی عظیم بیگ تو بڑے مشہور لکھنے والے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی کو بھی لکھنے کا شوق تھا۔ انھوں نے دو ایک مضمون لکھے تو ان کے پاس تعریفوں بھرے بہت سے خط آنے لگے۔ تب انھوں نے اپنا تازہ لکھا مضمون پھاڑ ڈالا، کہنے لگے ''ہم نہیں لکھیں گے پیچھے پڑ گئے لوگ ہمارے اور ہمیں کہیں رائٹر نہ بنا کے چھوڑیں''۔

اس کے بعد ان کے افسانے نیرا اور گیندا عالم وجود میں آئے ان کے ابتدائی افسانوں میں زیادہ تر مسلم گھرانوں کی نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے گھٹے ہوئے ماحول کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کے علاوہ متعدد ڈرامے، خاکے، مضامین، رپورتاژ، خودنوشت، اور مکتوبات ضبط تحریر میں لائیں جو اردو ادب میں ایک خوشگوار اضافے کی حیثیت رکھتے تھے۔ عصمت نے دنیا کے کئی ممالک کی سیر و سیاحت کی مثلاً چین، روس، چیکوسلواکیہ، انگلینڈ، فن لینڈ، سامیویریا، ایسٹ جرمنی، پاکستان وغیرہ۔

عصمت کا مقام اردو کے تمام افسانہ نگاروں میں منفرد ہے۔ جس بے باکی کے ساتھ انھوں نے ہندوستانی سماج کی حقیقت کو بیان کیا وہ ان ہی کے بس کی بات تھی۔ اپنی حقیقت بیانی کے باعث انھیں ہندوستان اور پاکستان میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی جس میں اب تک اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ بقول چمن خواجائیو۔

> ''عصمت چغتائی اردو ادب کی پہلی نمایاں فن کار خاتون ہیں جنھوں نے اپنی جدت پسند تحریر، قوت مشاہدہ، بے باکانہ طرز بیان، بے جھجک جرأت، اور اپنی رسیلی 'زمانہ' زبان کی وجہ سے اردو افسانہ میں نمایاں جگہ حاصل کر لی''۔[1]

ان کی حیثیت اردو کے دوسرے افسانہ نگاروں سے مختلف تھی انھوں نے سماج کی خوبصورتی

---

[1] صبا، حیدرآباد، اردو افسانے کی ایک ٹیڑھی لکیر، از چمن خواجائیو، ص ۱۴-۱۳۔

کے بجائے اس کی بدصورتی کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں متوسط طبقے کے تمام مسائل خواہ معاشی ہوں یا معاشرتی۔ تہذیبی ہوں یا جنسی، ہر مسائل پر بڑی جرأت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ ان کے فن پر مغرب کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ عصمت اپنی تمام ہمعصر لکھنے والی عورتوں میں انفرادیت کی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تخلیق اپنے اندر حد درجہ انوکھا پن اور جاذبیت رکھتی ہے۔ دراصل ان کی انفرادیت موضوع اور اسلوب بیانی کی بدولت قائم ہے ان کی شخصیت میں بے باکی جرأت مندانہ اور زندگی سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ بچپن سے ہی نڈر اور بیباک، آزاد خیال، ضدی اور چرب زبان تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کے والدین کثیر الاولاد تھے۔ اور عصمت کا نمبر دس تھا۔ ایک جگہ عصمت اس کا ذکر یوں کرتی ہیں:

> ''بہنیں چونکہ بڑی نکل گئیں اس لئے بھائیوں کی صف میں جگہ ملی کھیل کود کا زمانہ انھیں کے ساتھ گلی ڈنڈا، فٹ بال اور ہاکی کھیل کر گزارا۔ پڑھائی بھی انہیں کے ساتھ ہوئی۔ سچ پوچھئے تو اصل مجرم میرے بھائی ہی تھے۔ جن کی محبت نے مجھے ان ہی کی طرح آزادی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ شرم وحیا جو عام طور پر درمیانہ طبقہ کی لڑکیوں میں لازمی صفت سمجھی جاتی ہے پنپ نہ سکی۔ چھوٹی سی عمر سے دوپٹہ اوڑھنا۔ جھک کر سلام کرنا، شادی بیاہ کے ذکر پر شرمانے کی عادت۔ بھائیوں نے چھیڑ چھیڑ کر بڑھنے ہی نہ دیا۔ سوائے عظیم بھائی کے سب ہی گھر میں چاق و چوبند تھے۔ کنبہ کا کنبہ باذاق اور باتونی آپس میں چہلیں چلتیں نئے نئے جملے تراشے جاتے۔ ایک دوسرے کی دھجیاں اڑائی جاتیں''۔[1]

یہی وجہ ہے کہ عصمت کی شخصیت ابتداء ہی سے آزادانہ تھی۔ کسی ایک دائرے میں مقید ہو کر

---

[1] شاعر، بمبئی، شمارہ (۳)، عصمت چغتائی سے ایک ملاقات، ص ۱۴)

رہنا عصمت کو پسند نہ تھا۔ اور نہ سماجی قانون کی پابندی کو اپنے اوپر وہ مسلط کرنا گوارا کرتیں۔ ہمیشہ عصمت نے وہی لکھا جو ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرتا تھا۔ جو وہ خود محسوس کرتی تھیں۔ وہ قلم بند کر دیتی تھیں۔ عصمت کا کہنا ہے کہ ادیب کو صرف ایک چیز کا سہارا چاہئے۔ اپنے حسّاس دل کا جو اپنے پرائے کے دکھ سکھ پر ہنسنا اور رونا چاہتا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کہ اس سے کسی کا جی جلے گا یا کسی کو خوشی ہوگی۔ ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی اپنے زمانے کی اپنی ناولوں اور افسانوں میں فصیح، سلیس اور سادہ زبان استعمال کرتی تھیں۔ ان کا اندازِ بیان نہایت دلچسپ، دل کو لبھانے والا، سبق آموز اور دلچسپی کو بے دار کرنے والا ہے۔ کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ انھوں نے تمام مصنف، تمام ادیب، تمام ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کے اندر اپنے کو بہت زیادہ مقبول اور شہرت یافتہ پایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نام اوراق ادب میں چمکتے ہوئے روشن ستارے کی طرح نظر آتا ہے۔ یہ ہے عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا پس منظر جس نے انھیں ایک اچھا فن کار اور ایک اچھا ادیب بنا دیا تھا۔ اور ہمیشہ کے لئے اوراق ادب میں اپنا نام زندہ و تابندہ کر دیا۔ اس کا اعتراف ناقد اور قاری دونوں نے کیا۔ جس نے ایک باشعور فن کار کی حیثیت سے ہماری معاشرتی زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک دور اندیش ادیبہ بھی تھیں۔ کیونکہ عصمت چغتائی نے اپنی دماغ سوزی کے ذریعہ ایک نئی آہنگی سے افسانوی ادب کو نہ صرف متعارف کیا۔ بلکہ اس میں چار چاند لگا دیئے۔

عصمت چغتائی نے اپنے زمانے میں جو کچھ لکھا ہے کچھ اس انداز میں لکھا ہے کہ پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے تصویر ہو۔ عصمت نے انھیں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو تصوّرات انسانی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ عصمت چغتائی کی تحریروں میں نہ صرف شوخی بلکہ برجستگی، لفظوں کی ترتیب و سادگی سبھی کچھ ملتا ہے۔ کہیں کہیں تو ایسے الفاظ اور جملے استعمال کئے ہیں جن

سے حقیقت کا عکس جھلکتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عصمت چغتائی نے جو طرز فکر اپنایا وہ ہماری افسانوی دنیا میں ایک نئی جدّت کو روشن کرتا ہے۔ ان کا فنی خلوص اور جدید لب ولہجہ ہمارے ادب میں ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ انھوں نے سماجی، سیاسی اقتصادی، تہذیبی ثقافتی میلانات کو اپنے مخصوص زاویہ نظر سے دیکھا اور اسے مختلف پہلوؤں سے پیش کیا ہے یہی وجہ ہے کہ عصمت چغتائی اپنی ان تمام خوبیوں کی وجہ سے سرفہرست نظر آتی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ عصمت نے پہلی مرتبہ ہماری تہذیبی ثقافتی داخلی خارجی زندگی کی اعلیٰ قدروں کو محسوس کیا، بلکہ محسوس ہی نہیں۔ اعلیٰ شعور سے لازوال بنا دیا۔

لہٰذا افسانہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے عصمت چغتائی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی بیش بہا ادبی خدمات نے انھیں ادب کے وسیع میدان میں اور دوسرے ادباء کے مقابلے میں بلند مرتبہ ادیب بنا دیا ہے۔ انتہائی قلیل وقفے میں انھوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ وہ انسان دوستی اور امن وآشتی کی خواہاں ہیں۔ اور ایک مجاہد کی طرح ادبی دنیا میں جلوہ افروز ہوئی ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ ترقی پسند نظریات کا بہترین نمائندہ ہیں

عصمت چغتائی نے افسانوی ادب میں اپنے مختلف تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ عوام کو اس کی بہترین قدروں سے روشناس کرایا۔ اور افسانوی ادب کو مالا مال کیا۔ اس طرح انھوں نے افسانوی ادب میں شعور اور اسلوب نگارش عطا کیا۔ عصمت چغتائی دوسرے ادباء کے مقابلے کم نہیں۔

لفظ فکشن ناول اور افسانہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں فکشن کے لئے افسانوی ادب کی اصطلاح بھی رائج ہے۔ نقاد اس اصطلاح کو شارٹ اسٹوری اور لونگ شارٹ اسٹوری دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں افسانوی ادب کی اصطلاح انگریزی لفظ ''فکشن'' کی مترادف ہے۔ اس لئے فکشن ایک ایسی تحریر ہے جس میں کہانی یا

ناول کو بیان کیا جاتا ہے۔

عصمت چغتائی نے فکشن نگاری افسانوی ادب کی ابتداء نیرا سے کی۔ جو مختصر افسانے کی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن خود انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ افسانوی ادب میں ناول ان کی منزل ہے یا افسانہ۔ لیکن سب سے پہلے جس تخلیق نے عوام کے ساتھ ساتھ نقادوں کی نگاہ کو اپنی طرف متوجہ کیا وہ ان کا ناولٹ ضدی ہے۔ جس کی اشاعت ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔ ضدی نے انھیں ایک ایسے فن کار کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا، جو سماجی مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے اور ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ضدی نہ تو عصمت کی کوئی اخلاقی تحریر ہے۔ اور نہ اس سے ان کے مستقبل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ عصمت کی تحریر میں جو باغیانہ روش ملتی ہے۔ ضدی میں اس کی نشاندہی برائے نام کی جا سکتی ہے۔ عصمت نے اس ناول میں سماجی روایت میں بندھے کہنہ قوانین کا بھرپور مضحکہ اڑایا ہے۔ قانون اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سماج میں رہنے والے افراد کو آرام وسکون مہیا ہو سکے۔ نہ کہ وہ دل آزاری کا سبب بنے۔ جس دور میں ناول لکھا گیا۔ اس دور میں اردو ادب میں حقیقت نگاری زوروں پر تھی۔ واقعات کے تانے بانے خواہ رومانی کیوں نہ ہوں لیکن پیشکش میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ادب میں دو طبقوں کی کشمکش کو پیش کیا جائے۔ ناول پڑھتے ہوئے شروع میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصمت بھی اس طبقاتی کشمکش کو پیش کرنے والی ہیں۔ لیکن چند صفحات کے بعد ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ہلکا پھلکا رومانی ناول ہے جس میں دو طبقوں کو محبت کی دنیا میں یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب یہ دونوں خاندانی روایت کے سبب یکجا نہیں ہو پاتے ہیں۔ تو بالآخر محبت پر قربان ہو جاتے ہیں۔ محبت کا یہ ایک افلاطونی تصور ہے۔ عصمت نے اس ناول کا موضوع ضدی بتایا ہے اور یہ بات سچ ہے کہ اس موضوع کو پیش کرتے ہوئے جا بجا معاشرے اور خاندان کی فرسودہ

روایات طنزیہ جملے اور طبقاتی تقسیم کا احساس ملتا ہے۔ محبت کی ناکامی کے دراصل یہی عناصر ہیں۔

عصمت چغتائی کے اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نوعمر لڑکیوں کی ایک غیر سنجیدہ کوشش تھی۔ جو کھیل کھیل میں پائے تکمیل کو پہنچی اور جہاں تک متاثر ہونے کی بات ہے تو یہ ناول 'دیوداس' سے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ دیوداس ایک رومانی ٹریجڈی ہے جس کا ہیرو محبت میں ناکام ہو کر خود سے انتقام لیتا ہے اور تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ناول موضوع اور فن دونوں لحاظ سے کمزور ناول ہے۔ زبان کے اعتبار سے عصمت کے مخصوص رویے کی نشاندہی کرتا ہے۔ عصمت متوسط طبقے کی عورتوں کی زبان کو کامیابی کے ساتھ استعمال کرنے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ ان کا یہ پہلو ضدی میں بھی نمایاں ہے ورنہ نہ تو ناول میں پیش کی گئی کہانی میں کوئی کشش ہے اور نہ کردار نگاری میں گہرائی پائی جاتی ہے جو عصمت کے بعد کے ناولوں میں خصوصیت بن کر سامنے آتی ہے۔

ان کا ایک اور ناول ہے جس کا نام معصومہ ہے۔ جو ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول میں مسلم گھرانوں کی اقتصادی بدحالی کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ عصمت چغتائی اردو کی پہلی خاتون ناول نگاروں میں ہیں۔ جنھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ پورا ناول موجودہ عہد اور سماج کا آئینہ دار ہے۔ اس ناول میں انھوں نے تقسیم ہند کے بعد حیدرآباد کے ایک مسلم گھرانے سے لے کر بمبئی کے سیٹھوں، فلمی پروڈیوسروں اور عورتوں کے سفید پوش دلالوں کی زندگی کا نقشہ بڑے دل آویز انداز میں پیش کیا ہے۔

اس ناول میں عصمت نے کرداروں کی عادات واطوار کے علاوہ ان کی مخصوص زبان کو ان ہی کے لب ولہجہ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس سے فطری انداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں کرداروں کی زبان پر مکمل طور سے عبور حاصل ہے۔ وہ جس طبقے کے

کردار کو پیش کرتی ہیں۔ اس کے مطابق اس کی زبان بھی استعمال کرتی ہیں۔ پروفیسر عبدالسلام لکھتے ہیں:

''عصمت کی زبان کا لوہا سبھی نے مانا ہے''۔[۱]

اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری کا قول بھی قابل ذکر ہے:

''عصمت کو ایک خاص جوار ایک خاص طبقہ کی روزمرہ زبان پر الہامی قدرت حاصل ہے۔ ایسی بے تکان زبان مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے وہ الفاظ اور دفتروں کے گویا طرارے بھرتی ہیں''۔[۲]

عصمت نے معصومہ میں اس کائنات کی تصویر پیش کی ہے جہاں بغیر تخت و تاج کے بھی نواب اپنی نوابی شان میں گم نظر آتے ہیں۔ بطور خاص جو بات اس ناول میں جا بجا محسوس ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس پر آشوب دنیا میں عورت آج بھی بے بس اور ستم رسیدہ سماج کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے اور مرد ذات آج بھی عہد قدیم کی طرح عورت کو کوئی ایسا حق دینے پر تیار نہیں ہے جو اسے اوپر اٹھانے میں مددگار ثابت ہو سکے۔

عصمت کا ایک اور کامیاب ناول سودائی ہے۔ جو نفس موضوع کے اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے افراد کے گرد گھومتا ہے۔ جن کی دنیاوی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ بظاہر شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن اختلافی اعتبار سے بالکل پست ہیں۔ البتہ اپنی جھوٹی شرافت، جھوٹی عزّت اور عیاری و مکاری کے بل بوتے پر سماج کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔ وہ کسی لاوارث یا نیچ ذات کی لڑکی سے شادی یا محبت تو برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر اس کی عزت و آبرو لوٹ لینا اپنا آبائی حق سمجھتے ہیں۔

یعنی عصمت سودائی کی تخلیق عمل میں لا کر یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عورت بہر صورت آج بھی مردوں

۱۔ نگار، تقسیم کے بعد اردو ناول، پروفیسر عبدالسلام۔
۲۔ ادب اور زندگی، مجنوں گورکھپوری، ص ۳۳۶)۔

کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہے۔ بالفاظ و دیگر عصمت نے چاندنی کو پیش کر کے اس بات کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ سماج آج بھی عورتوں کا جنسی یا معاشی طور پر استحصال کر رہا ہے۔ سودائی میں ان تمام عورتوں کی سماجی بدحالی کو پیش کیا گیا ہے۔ خواہ ان کا تعلق معاشی ہو یا جنسی اس طرح اس ناول کو مجبور عورتوں کا خاکہ کہہ سکتے ہیں۔

ہر چند کہ اس ناول کا پس منظر فلمی انداز کا ہے۔ جس میں بڑی حد تک ضدی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ کسی کسی مقام پر تو ایسا لگتا ہے کہ سودائی ضدی کا نقش فریادی ہے۔ عصمت چغتائی کا ایک اور ناول ٹیڑھی لکیر ہے۔ اس کا نام اردو کے افسانوی ادب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول کو پڑھنے کے بعد عصمت کی ذہنی بالیدگی کا پتہ آسانی سے چل جاتا ہے۔ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف مسائل ہی کو نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ ان مسائل پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ناول اپنی روش سے ہٹ کر بالکل نئی شاہراہ کا ترجمان بن گیا ہے۔ اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں۔

> ''ٹیڑھی لکیر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک بہت ہی منفرد اور اردو کے بہترین ناولوں میں سے ایک ہے''۔[۱]

عصمت نے ٹیڑھی لکیر کا نام منتخب کر کے شمن کی شکل میں بڑا ہی متحرک اور شاندار کردار پیش کیا۔ جو اسی ماحول اور سماج کا پروردہ نظر آتا ہے یا یوں کہا جائے کہ اس ناول میں ہماری مشرقی عورت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس ناول میں ہمیں عصمت کا وہ عہد یاد آتا ہے جب انھوں نے عبداللہ ویمنس کالج میں رہ کر بحیثیت ایک طالبہ کے زندگی کے اوقات گزارے۔ اس دور کے ماحول کی عکاسی بھی اس ناول میں دیکھی جا سکتی ہے۔ علی گڑھ کی تعلیمی فضا اور اس کے رہن سہن کے طور طریقوں میں

۱۔ بیسویں صدی میں اردو ناول، ڈاکٹر یوسف سرمست، ص ۴۰۵۔

طالبات زندگی کے کن کن تجربات سے دو چار ہوتی ہیں۔ اس کی شاندار مثال عصمت نے پیش کی ہے گھریلو ماحول اور کالج کی زندگی کا بیان اس طرح عصمت نے کیا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ ہماری اپنی ہی زندگی کی کوئی کہانی سنا رہا ہے اور ہم اس کہانی کے ایک کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ ناول ہمارے ہندوستانی گھرانوں کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ جس کا ہر ایک رخ ہماری زندگی کی تلخیوں اور خوشیوں کی بھرپور نشان دہی کرتا ہے اور یہ عصمت کا بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے شمن کا کردار پیش کر کے اس کے نفسیاتی اعمال و افعال کو نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے ماحول اور اس کے گھرانوں یعنی متوسط طبقے کے جملہ مسائل اور اس کے غور و فکر کو واضح کر دیا ہے جو آئنہ کی مانند ہمارے سامنے آتا ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے اس ناول میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی شمن کی نفسیاتی اور جذباتی زندگی اور اس طبقے کے مسائل کی عکاسی کی ہے اور وہ ساری چیزیں کہہ گئی ہیں جو عام ناول نگاروں نے آج تک نہیں کہی۔ اس بات کی تصدیق رشید موسوی صاحبہ کے اس بیان سے با آسانی ہو جاتی ہے۔

> ''عصمت نے ٹیڑھی لکیر میں متوسط طبقے کی لڑکی کو اپنی ہیروئن بنا کر اس کے اور خود اس کے طبقے کے بہت سے مسائل کو نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ اس پر تنقیدی نظریں بھی ڈالی ہیں''۔[۱]

مختصر یہ کہ ٹیڑھی لکیر ایک آپ بیتی تھی اور ناول بھی۔ جن واقعات کو عصمت نے ٹیڑھی لکیر میں پیش کیا وہ ان کی فن کارانہ بصیرتوں کا مظہر ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ غیر معمولی سچائیوں کے حامل اور زندگی کی حقیقتوں پر منحصر ہے۔

عصمت چغتائی نے ناولوں کے علاوہ افسانے بھی لکھے ہیں۔ ان کے افسانے بہت مشہور ہوئے۔ عصمت چغتائی کا ایک کامیاب افسانہ چوتھی کا جوڑا ہے۔ اس افسانے میں مسلم گھرانے کی

---

[۱] سب رس، بعنوان، عصمت کی ٹیڑھی لکیر، رشید موسوی، ص ۳۴۔

لڑکیوں کی شادی بیاہ کے مسائل کو بڑے موثر اور فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں مسلم معاشرت اور تہذیب کے درد و کرب کو بڑے سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ مسئلہ صرف ایک گھر یا ایک خاندان کا نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کے تمام مسلم گھرانے بالخصوص متوسط طبقے کے خاندانوں کا المیہ ہے۔ یہ صرف کبریٰ کے شادی ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی تمام لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ہے۔ عصمت چغتائی نے اس افسانے کو بہت اچھے فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔

یوں تو عصمت چغتائی مسلم متوسط طبقہ کی ذہنی، نفسیاتی اور کیفیاتی طرز کو بیان کرنے میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ مگر اس طبقہ کے کچھ ایسے نمائندہ مسئلے بھی ان کے زیر قلم نظر آتے ہیں۔ جو ہماری تہذیبی و ثقافتی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں یہ وہ مسئلے ہیں جو ہماری صحت مند قدروں کی نفی کرتے ہیں اور ایک صحت مند سماج کی تشکیل میں حائل ہیں۔ جہیز ان میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عصمت نے اس خاص مسئلہ کو مذکورہ افسانہ میں شامل کر کے اس کی پرزور الفاظ میں مخالفت کی ہے اور کبریٰ کا کردار پیش کر کے دراصل ایک مسلم معاشرہ نیز اس کی تہذیبی و ثقافتی زندگی کی درد بھری داستان بیان کی ہے جو واقعی ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ داستان میں مسلم معاشرہ کے تمام درد و کرب اور اس سے پیدا شدہ ٹیسیں رہ رہ کر ہمیں افسانے میں محسوس ہوتی ہے۔ عصمت مسلم سماج کے اہم مسئلوں کو اس لئے پیش کرتی ہیں تا کہ لوگ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کر سکیں۔ اور اس نوح کے سماجی وہ معاشرتی مسئلہ کو حل کرنے کی کاوش میں ایسے لوگوں کا ساتھ دیں۔ جو سماج کو صحت مند اور خوشگوار بنانے کے درپے ہوں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں پر قطعی اعتماد نہ کریں۔ جو سماج میں انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلم عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور اپنی سماجی اجارہ داری کے ذریعہ سماج میں اپنا مقام بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔

عصمت ان سماجی ٹھیکیداروں اور ان کی مکاری اور عیاری کو سماج دشمن قرار دیتی ہوئی انھیں

صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہیں جو چیزیں جہیز جیسی سماجی لعنت کو فروغ دے رہی ہیں۔ بالخصوص ایسے لوگ جو مسلم متوسط طبقے میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر معاشرہ میں نفاق پیدا کرنے کے درپے ہیں۔ انھیں بے نقاب کر کے ان کے اصل چہرہ کو عوام کے روبرو پیش کیا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک اور افسانہ لحاف ہے۔ لحاف میں انھوں نے عورتوں کے جنسی مسائل کو بڑے بے باکانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ بالخصوص ان عورتوں کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ جن کے شوہر جنسی طور پر ناکارہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسے ماحول میں رکھی جاتی ہیں۔ جہاں آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور نہ تو ان کے جنسی جذبات کی تسکین کا کوئی راستہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عورتیں غیر فطری راستے اختیار کرتی ہیں۔ کردار نگاری کے اعتبار سے یہ افسانہ لاجواب ہے۔ کردار نگاری کا کمال یہی ہے کہ وہ جس ماحول کے ہوں اسی میں پوری طرح رچے بسے ہوں۔ بقول دیوندر اتسر۔

''عصمت چغتائی اپنے کرداروں کا تجزیہ اکتسابی نظر سے نہیں کرتیں بلکہ اپنے ماحول میں پوری طرح رچے بسے ہونے کے روپ میں پیش کرتی ہیں''۔[۱]

مندرجہ بالا پیراگراف سے اندازہ ہوتا ہے کہ عصمت چغتائی اردو فکشن کی مایہ ناز ادیبہ ہیں۔ اردو فکشن کے میدان میں انھوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں۔ انھوں نے انھیں اور زیادہ مقبولیت کی منزل پر لا کر کھڑا کر دیا۔ انھوں نے نئے نئے افسانوی ادب کی ترجمانی اس انداز میں کی ہے کہ ان کا نام افسانوی ادب کے معماروں میں سرفہرست آتا ہے۔ بقول کشن پرشاد کول :

''نئے ادب کی افسانوی دنیا میں عصمت چغتائی کی حیثیت نرالی اور ان کا پایہ اوروں سے بلند ہے۔ میری رائے میں تو عصمت چغتائی ہی حقیقت میں نئے افسانوی ادب کی ترجمان کہی جا سکتی ہیں۔ کیوں کہ وہی اور صرف وہی اس کا بہترین نمونہ بہترین

---

[۱] آج کل دہلی، اردو فکشن کے ۲۵ سال، دیوندر اتر، ص ۳۵۔

مثال ہیں۔'' [۲]

عصمت چغتائی کا ایک افسانہ جال ہے۔ جال میں موضوع کا تعلق بھی متوسط طبقے کی نو جوان لڑکیوں کے جنسی اور نفسیاتی مسائل سے ہے۔ جال کو جنسی زدہ افسانہ کہا جا سکتا ہے اس کی زبان اچھی ہے۔ منظر نگاری اور واقعہ نگاری بھی خوب ہے۔ لیکن انھوں نے معاشرے کی جنس نگاری کو ان افسانوں میں بڑھا کر پیش کیا وہ ایک ایسی حقیقت نگار ہیں۔ جس سے جنسی مسائل کی غلط عکاسی ہوتی ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک اور افسانہ گیندا ہے۔ اس افسانہ میں انھوں نے ایک بچی کے احساسات اور جذبات حرکات وسکنات اور اس کی خواہشات کا نقشہ بالکل فطری اندازہ میں پیش کیا ہے۔ وہ بڑی بہنوں کی شادی بیاہ اور عشق ومحبت کے متعلق گفت وشنید کو چھپ چھپ کر سنتی ہے اور خود بھی اپنے دل میں ویسے ہی جذبات اور شادی کرنے نیز عشق ومحبت کی آرزو رکھتی ہے۔ اور دلہن بننے کا خواب دیکھتی ہے۔ سیندور پیستی ہے اور مانگ بھرتی ہے۔ ان سب کی جھلک اس افسانے میں مل جاتی ہے۔ اس بے نظیر فنی اوصاف نے ہمارے ذہنی فکری نیا قانون کو ہر قدم پر اس امر کا احساس دلا دیا کہ عصمت کے پیش کردہ سماجی زندگی کے اصول ونظریات واقعی ہمارے معاشرتی زندگی کا ایک مستحکم اثاثہ ہے۔

عصمت چغتائی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے نہ صرف افسانوی ادب میں اپنا مقام بنایا بلکہ اردو فکشن کے نئے نئے سماجی ثقافتی مشاہدات تجربات اقتدار کے اوصاف کو تحریر کیا ہے۔ انھوں نے فکشن نگاری کو ایک نیا مزاج ایک نئی فکر بخشی ہے۔ انھوں نے متوسط گھرانوں کی بے چینیوں کی مصوری کی ہے اور ملک کے جیتے جاگتے ماحول کو حقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنی تحریر میں کرداروں کو جلا بخشی ہے۔ اور غیر معمولی صداقت کی عکاسی بھی کی ہے۔ حالانکہ انھوں نے اپنی تحریر میں

---

[۱] نیا ادب، پنڈت کشن پرشاد کول، ص ۱۹۸، ۱۹۷۔

صاف گوئی سے کام لیا ہے۔لیکن عصمت چغتائی کی شخصیت نے انھیں اور زیادہ مستحکم بنا دیا۔لہٰذا عصمت نے ناولوں کے ذریعہ سماج اور معاشرے کو بہت اچھی طرح سمجھا ہے۔اس کے رسم و رواج انسانی زندگی کی قدروں سے وہ بخوبی واقف ہیں۔انھوں نے اپنے ناولوں میں ہیروئن کو خالص ہندوستانی طرز میں پیش کیا ہے۔اس لئے ان کے ناول ہندوستانی تہذیب وتمدن کی مکمل نمائندگی کرتے ہیں۔ عصمت چغتائی زندگی کے ہر موڑ پر ایک قلم کار یا ایک مصنفہ کے علاوہ مشرقی تہذیب سے بھی وابستہ ہیں انھوں نے اپنے ناولوں میں عورت کے کردار کو مشرقی تہذیب کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

عصمت نے اپنے ناولوں کو چند ایسے موضوعات سے ہم آہنگ کیا ہے جو حقیقت میں وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔جس کے بغیر سماج میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی تھی۔انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اس کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا۔اس میں نہ صرف ہندوستانی قدروں کو اپنے سامنے رکھا تھا بلکہ عالمی قدریں بھی ان کے سامنے تھیں۔انھوں نے جس حوصلہ مندی کے ساتھ بگڑے ہوئے سماج کو راہ مستقیم کی طرف لے جانے کی کوشش کی وہ قابلِ تعریف ہے۔

عصمت چغتائی نہ صرف ایک اچھی ناول نگار و افسانہ نگار ہیں بلکہ ایک طنز نگار مصنفہ بھی ہیں۔ ان کے ناولوں میں اعلیٰ ہستی کی مثال بھی مل جاتی ہے۔ان کے جملۂ کردار طنز کے تیر لئے ہوئے ہوتے ہیں۔بحیثیت مجموعی عصمت اردو کی ناول کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ان کے ناولوں نے نئی نسل کے ناول نگاروں کو ایک نئی جلا بخشی۔ان کے اندر ایک ایسا تخلیقی اور سماجی شعور بیدار کیا ہے جس کی سماج میں اس وقت ضرورت تھی۔

کہا جاتا ہے ناول اور افسانے سے پہلے جو اردو نثر کا قدیم داستانی سرمایہ ہے۔وہاں بھی عورت کا کردار بہت اچھے اور مخصوص انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔جس سے عورت کی نفسیاتی گرہ کھلتی ہے۔جنسی جذبات کی عکاسی بھی زیادہ تر نہ سہی لیکن دیکھنے کو مل جاتی ہے حالانکہ ان سب کا حقیقی

دنیا سے رشتہ نہیں کے برابر ہے۔ تاہم تخیل کے زور پر جو خیالات جنم لیتے ہیں ان کو پیش کر دیا جاتا تھا۔ عصمت نے اول افسانوی دنیا میں قدم رکھا تو اپنی افسانہ نگاری کی ابتداء اچھے موضوعات سے کی۔ جس موضوع کو انھوں نے منتخب کیا۔ وہ بڑا ہی نازک تھا۔ یہ درست ہے کہ عورت کے مسائل خود اپنے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ عورت ہونے کے ناتے وہ ان مسائل کے بیان پر قدرت بھی رکھتی ہیں وہ عورت ضرور ہیں۔ لیکن نازک موضوعات پر ایک عورت کا قلم اٹھانا ہی کافی نہ تھا۔ بلکہ عورت کے علاوہ وہ ایک فن کار بھی تھیں۔

عصمت چغتائی بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگار اور ناول نگار اور اچھی مصنفہ ہونے کے تحت وہ اپنی تحریروں کے ذریعہ یا وہ اپنی اسلوب کے ذریعہ بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان کی تحریر میں شوخی نزاکت وسعت سبھی کچھ شامل ہیں۔ ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھیں اس انفرادیت کے سبب بہت عروج حاصل ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عصمت چغتائی کے خیالات کے منفرد امتیازات ہیں اس طرح ان کا اسلوب بھی اپنا ایک علیحدہ امتیاز رکھتا ہے کیونکہ اسلوب کی بنیاد زبان پر ہوتی ہے انھوں نے اپنی تحریر میں صاف سلیس اور اچھے لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو فکشن اگر چہ زیادہ نہیں لیکن اسے پروقار بنانے میں جن معماروں کا نام ہمیشہ روشن رہے گا اس میں عصمت چغتائی کا نام صف اول میں ہے۔ عصمت چغتائی نے نہ صرف نئے زاویوں سے سماج کو دیکھا بلکہ اسے پیش کیا۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ ہر کردار کو اس کے اصل پس منظر میں پیش کیا ہے۔ ہر کردار کی گفتگو اس کا لب ولہجہ اس کی نقل وحرکت اور اس کے معمولات نے اردو فکشن کو بے باکی عطا کی۔ وہ جو کچھ لکھتی تھیں اس کے اندر ایک سبق آموز سلیس زبان ملتی تھی۔ جس کو پڑھ کر پڑھنے والے کی دلچسپی اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

اوراق ادب کے ذریعہ یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصمت چغتائی حقیقت نگار بھی ہیں۔

کیونکہ ان کی تحریر ان کے ناول ان کے افسانوں کے اندر ہمیں حقیقت کا عکس کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے تجربوں اور اپنی تحریروں کے ذریعہ اپنی بات پوری طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے کہا جاتا ہے کہ عصمت چغتائی نے عورت کو گھر کی چاردیواری میں کم اور باہر زیادہ دیکھا۔ سماجی معاشرتی اور معاشی مسائل کی روشنی میں انھوں نے عورتوں کے لئے مخصوص مسائل کے بارے میں سوچا اور معاشی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں پر توجہ دی۔ اس لئے عصمت اپنے ہم عصر ادیبوں میں نمایاں نظر آنے لگی۔

عصمت کے فن کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو ایک بات بار بار ہمارے ذہن میں آتی ہے کہ وہ کیا وجوہات ہیں کہ ٹیڑھی لکیر کے بعد کوئی بڑا ناول نہیں لکھ سکیں۔ حد تو یہ ہے کہ ناول نگاری کے میدان میں تجربوں مشاہدوں اور وسیع مطالع کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنا دائرہ اپنے فن کاری کے ذریعہ وسیع سے وسیع تر بنالیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار اردو کے اہم ترین فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنی راہ تمام ادباء سے الگ بنائی۔ انھوں نے کسی بھی فکشن نگار کی دکھتی رگ کو نہیں دیکھا۔ عصمت نے اپنے ایسے دور میں جب کہ مسلم لڑکیوں کو افسانے، ناول لکھنا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ عصمت جیسی خاتون فکشن نگاروں میں ایک ایسی ادیبہ ابھر کر سامنے آئیں۔ جس نے نہ صرف شرم وحیاء بناوٹ اور خوف کو بالکل ختم کر دیا۔ بلکہ اپنی خردبیں نگاہیں اور حق پرستی سے انسانی فطرت کی اس نازک نفسیاتی کیفیتوں کو روشناس کرایا۔ جن پر کسی بڑے بڑے مرد صاحب قلم بڑے بڑے ادیب ومصنف کی پہنچ نہ ہوسکی۔ عصمت چغتائی نے اپنی کاوشوں سے ہمارے معاشرے کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے عورتوں کو سوچنے سمجھنے کا راستہ دکھایا۔ اور اظہار کرنے کی جرأت پیدا کی۔ یہ عصمت کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ لہٰذا حقیقتوں کو بڑے دل آویز بے باک طریقے سے پیش کیا ہے۔ موضوع کو اس سلیقے سے پیش کیا ہے کہ

مطالعہ کرنے کے بعد دلچسپی کا موضوع وسیع ہو جاتا ہے۔عصمت چغتائی کے یہاں نہ تو جذباتیت اور نہ تو پرانی قبروں کی پرستش بلکہ جیتے جاگتے لوگوں کی کہانیاں سناتی ہیں۔ وہ ارمانوں کے تخلیقی کردار کو بیان نہیں کرتی۔ بلکہ حقیقت پیش کرتی ہیں۔جس سے پڑھنے والا افسانہ نگار کی چابکدستی اور فن کاری کی داد دیتا ہے۔

✦✦✦

باب دوم

عصمت چغتائی بحیثیت افسانہ نگار

(جنسی حقیقت نگاری، سماجی حقیقت نگاری، کردار نگاری
رومانیت، منظر نگاری، مکالمہ نویسی)

عصمت چغتائی بحیثیت افسانہ نگار

بیسویں صدی کے بعد جو خواتین افسانہ نگار منظر عام پر آئیں ان میں عصمت چغتائی سرفہرست ہیں۔ انھوں نے سماجی بغاوت کے ساتھ ساتھ ادبی روایات سے انحراف کیا۔ عصمت چغتائی اردو فکشن میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے اردو افسانے کو نیا موڑ دیا ہے۔ عصمت چغتائی نے عورتوں کی تعلیم اور مسلم معاشرے کے مخصوص مسائل کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔[1] انھوں نے بتایا ہے کہ وہ دور گیا جب کے عورتیں جاہل رکھی جاتی تھیں اور انھیں خانہ داری اور سینے پرونے کے علاوہ دیگر کام نہیں آتے تھا۔ تعلیم نہ ہونے کے سبب وہ گھر کا حساب تک نہیں کر سکتی تھیں۔[2] انھوں نے اپنے افسانوں میں یہ بھی بتایا ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں جاہل عورتوں کے مقابلے میں گھر کا نظم ونسق اچھی طرح کر سکتی ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی تعلیم یافتہ ماؤں کے ہاتھوں بہتر طریقہ سے انجام پا سکتی ہے۔

عصمت چغتائی پہلی افسانہ نگار تھیں جنھوں نے سماجی حقیقت نگاری کے علاوہ جنسی حقیقت کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ عصمت کو ان کے فن اور زبان و بیان کی وجہ سے ہمیشہ مقبولیت حاصل رہی ہے۔ انھوں نے سماجی حقیقت نگاری کو موضوع بنا کر سماج کی ان آلودگی کو ظاہر کیا ہے۔ جو عام افسانہ نگاروں کی نظروں کے سامنے نہیں آتی تھیں۔ حقیقت نگاری کے حوالے سے ان کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

> ''شاید افسانوں اور کہانیوں میں عریاں دیکھ کر لوگوں کے رقیق جذبات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک صاحب کو زہرہ کا مرمریں مجسم دیکھ کر مرگی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اب اس کا علاج کسی ادیب کے پاس تو نہیں کیا۔ یہ ممکن

نہیں کہ واقعہ کو واقعہ سمجھ کر پڑھتے جائے صاحب یہ تو زندگی کی تصویر ہے۔ کھلی بھی ہے ڈھکی بھی ہے اگر عریانی ہے بھی تو کیا ضرور کہ مرگی کا دورہ فرور ڈالا جائے۔ ضبط اور جذبات پر قابو بھی تو کوئی چیز ہے اور ایسی عریانی میں عیب ہی کیا ہے۔ جو آپ ادب کی عریانی سے لرزتے جاتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ادیب خود دنیا کی عریانی سے لرز اٹھا ہے اور دہشت کے مارے کانپ رہا ہے صرف حروف میں اپنی باتوں کو منتقل کر دیا ہے جو دنیا میں ہو رہی ہیں،.... اگر دنیا کا ادب گندہ ہے جس کی تصویر ہے مصور کا ہے قصور''۔[1]

عصمت چغتائی پہلی افسانہ نگار تھیں جن پر اپنے ایک افسانہ لحاف لکھنے پر لاہور کی عدالت میں مقدمہ چلا اور اسی کے تعلق کی وجہ سے سردار جعفری نے اپنی تصنیف ترقی پسند ادب میں انھیں وہ مقام دیا۔ جس کی وہ مستحق تھیں۔ عصمت کی افسانہ نگاری سے متعلق انھوں نے اپنی اس تصنیف میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

''عصمت چغتائی نے بھی اپنی بغاوت کے لئے جنسیات ہی کا انتخاب کیا اور کبھی گیندا کی طرح اچھی اور کبھی لحاف کی طرح بری کہانیاں لکھی''۔

ایک جگہ وہ لکھتی ہیں :

''عزیز احمد نے اپنی کتاب ترقی پسند ادب میں راشد کی فرادیت منٹو اور عصمت کی مریگانہ جنس نگاری پر تنقید کی''۔

عصمت چغتائی افسانہ نگاروں کی طرف جب مائل ہوئیں تو انھوں نے ابتداء میں دوسرے افسانہ نگاروں سے متاثر ہو کر افسانے لکھے۔ لیکن بعد میں خود ہی اپنے افسانوں کے لئے وہ راہ اختیار

---

[1] ایک بات، عصمت چغتائی، ص ۱۱-۱۰۔

کی جو دوسروں سے الگ تھی۔ اور بعد میں پھر اسی پر چلتی رہیں۔ اور افسانے یا ناولوں کی تخلیق کرتی رہیں۔

عصمت چغتائی نے خاص طور سے عورتوں کو اپنا موضوع قرار دیا۔ اور ان کے استحصال ان کی ذہنی کشمکش ان کی الجھنیں ان کی فطری کمزوریاں، محبت، نفرت، وغیرہ پہلوؤں کے ساتھ ان کے جنسی مسائل کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ اسی طرح انھوں نے نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اور نیا اسلوب اختیار کیا۔ انھوں نے گھریلو ماحول کی کامیاب عکاسی کی ہے جو عام طور سے قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یعنی جس طرح متوسط طبقے کی عورتیں کس گھٹے ہوئے ماحول میں نشو ونما پاتی ہیں۔ اور اس کے ذہن و دماغ اور زندگی پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عصمت چغتائی کا بڑا کمال یہ تھا کہ زندگی کی سچائیوں کی تصویر پیش کرنے میں اچھائیوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ برائیوں کی تصویر پیش کرنے سے کتراتی نہیں تھیں۔ بلکہ اپنے ماحول کو ہر زاویے سے دکھانے اور اس کے ہر گوشے کو ہو بہو پیش کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

عصمت چغتائی کا مشاہدہ تیز اور اس پر انکی گرفت مضبوط تھی۔ انھوں نے بے شمار چھوٹے بڑے کرداروں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دی۔ عصمت کا کمال یہ بھی ہے کہ وہ اشاروں کناروں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جاتی تھیں۔ کہانیوں میں اپنی زبان استعمال کرنے پر قدرت رکھتی تھیں۔ اور اس میں بول چال کا لطف برقرار رکھتی تھیں۔ ان کے اسلوب میں بڑی برجستگی روانی، شگفتگی اور پختگی پائی جاتی ہے۔ جس سے ان کے کرداروں میں بڑی جان پیدا ہوگئی ہے۔

عصمت چغتائی کو درمیانی طبقے کے گھریلو ماحول میں عورتوں کی بے بس زندگی پر ترس آتا تھا۔ وہ ان کی ہمدرد بن گئیں تھیں۔ اس ماحول کے خلاف ان کے دل میں باغیانہ خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ بھائی عظیم بیگ چغتائی سے متاثر رہیں۔ اور رشید جہاں کی بے باک زندگی کو انھوں نے اپنے

لئے نمونہ بنایا اور ان کی ہر بات کو پسند کی نگاہ سے دیکھا۔

انھوں نے بے شمار اچھے افسانے لکھے کچھ ڈرامے رقم کئے۔ ٹیڑھی لکیر، معصومہ، ضدی اور آنگن جیسے ناول لکھے گئے۔ انھوں نے نہ صرف اپنی پہچان بنائی بلکہ نمایاں مقام حاصل کیا۔ بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگاری کے انھوں نے خواتین اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر بھی توجہ دی ہے اور ان کے ذہنی خلفشار کا ایک حد تک مطالعہ کیا۔

عصمت نے نہ صرف یہ کیا کہ نئے زاویوں سے سماج کو دیکھا۔ اور اسے پیش کیا۔ بلکہ ان کی خوبی یہ بھی ہے کہ ہر کردار کو اس کے اصل پس منظر میں پیش کیا۔ ہر کردار کی گفتگو۔ اس کی نقل و حرکت اس کی معمولات اور اس کا لب و لہجہ نقل اصل کے مطابق پیش کیا ہے۔ انھوں نے فکشن کو بے باکی عطا کی۔ اور جنسی مسائل پر ہر طرح سے بحث کی۔ وہ جو کچھ بھی لکھتی تھیں۔ اسے ادبی رنگ میں شامل کر دیتی تھیں۔

عصمت چغتائی کے افسانوں کے مجموعے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کلیاں - ۱۹۴۱ء، مکتبہ اردو ادب لاہور میں شائع ہوا اس میں کل ۱۳ افسانے اور چار ڈرامے ہیں۔

۲۔ چوٹیں - ۱۹۴۲ء ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ نے شائع کیا اس میں کل تیرہ افسانے ہیں۔

۳۔ ایک بات - ۱۹۵۲ء میں ودائٹی بک بینک لاہور نے شائع کیا۔ اس میں کل نو افسانے شامل ہیں۔

۴۔ چھوئی موئی - ۱۹۵۲ء میں ودائٹی بک بینک لاہور نے شائع کیا۔ اس میں کل نو افسانے شامل ہیں۔

۵۔ دو ہاتھ - ۱۹۵۲ء، جولائی مکتبہ اردو ادب لاہور کے شائع کیا۔ اس مجموعے میں کل آٹھ کہانیاں شامل ہیں۔

۶۔ کنواری - (ہندی افسانے)

۷۔ بدن کی خوشبو - ۱۹۷۹ء، سرفراز احمد منظور پریس لاہور میں شائع ہوا۔ اس میں کل سات افسانے ہیں۔

۸۔ لحاف - اے۔اے۔ایس۔پبلی کیشنز لاہور نے ابھی چند سال پہلے شائع کیا۔ اس میں کل پندرہ افسانے شامل ہیں۔

۹۔ آدھی عورت آدھا خواب (افسانے)

۱۰۔ عصمت کے بہترین افسانے انتخاب

۱۱۔ دوزخ - اس مجموعے میں پانچ افسانے دو مضامین اور ایک ڈرامہ شامل ہے۔

جنسی حقیقت نگاری :

عصمت چغتائی کے افسانے کا خاص طریقہ کار جنسی حقیقت نگاری ہے۔ اس حقیقت نگاری میں انھوں نے مختلف موضوعات کو جگہ دی ہے۔ جس میں جنسی اور سماجی حقیقت نگاری کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عصمت کے افسانے کی ابتداء جنسی حقیقت نگاری سے ہوئی۔ اور اس موضوع پر انھوں نے خوبصورت کہانیاں لکھیں۔ عصمت نے ان مسائل پر سے بھی نقاب اٹھایا ہے جو پردہ نشیں خواتین کے مخصوص مسائل ہیں۔ ان سے جڑی ہوئی نفسیاتی الجھنیں و جنسی بے راہ رویاں ایسے موضوعات تھے جن پر لکھنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے عصمت نے طبقاتی کشمکش نفسیاتی اور ذہنی الجھنوں کے رومانی مسائل کو بے باکی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اس لئے لکھا تھا کہ جب تک چور بھاگتے رہینگے وہ چکا چوند کرنے والی کہانیاں لکھتی رہیں گی۔ عصمت حقیقت کی تیز روشنی سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔ ان

کی حقیقت نگاری نے جہاں سماج کے بہت سے مسائل کو موضوع بنایا۔ وہیں اندر ہی اندر پنپنے والے مسئلے میں بھی توجہ دی ہے۔ جسے وہ سماجی ناسور کہتی تھیں وہ تھے جنسی مسائل جو افراد کو احساس کمتری کا شکار رہتے تھے اور اعلیٰ صلاحیتوں کو مجروح کر رہے تھے۔ Abnormal Personality کی تشکیل کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پورے سماج کے نظام میں اک عجیب بے راہ روی کی فضا کو جنم دے رہے تھے۔ احساس گناہ ضمیر کی عدالت سے جب چیخا تو معاشرے کے در و دیوار اس زلزلے کی تاب نہیں لا پاتے تھے۔ مگر اس کے باوجود سماج کے ارباب حل وعقد اس موذی مرض کو بیان کرتے ہوئے لرزتے تھے۔ بیان کرنا تو دور کی بات اس کی جانب اشارہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کا کہنا ہے:

> ''ہمارے افسانہ نگاروں نے اس بند کو توڑنے کی کوشش کی۔ جس کی وجہ سے سماج کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل ابھی تک فن کے حدود میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ یا ارض ممنوعہ قرار دئے جاتے تھے''۔[1]

یہ ایک ایسا موضوع تھا۔ جس پر لکھنا معیوب اور مخرب الاخلاق سمجھا جاتا تھا۔ عصمت نے ایک ایسے ہی نازک موضوع کو ترمیمی گرفت میں لے لیا۔ ان کا قلم ان نازک مسائل پر بھی ڈگمگاتا نہیں تھا۔ اب ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عصمت نے جنس کو اپنا موضوع بنا کر اپنی شہرت کی سیڑھی گردانا یا ذہنی چٹخارے کے لئے یہ موضوع انھیں بھانے لگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عصمت نے جنس کو اپنی تخلیق میں اس وجہ سے اہمیت واولیت دی ہے کہ وہ اسے ایک معالج کی نظر سے دیکھتی ہیں اس کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کی تمام خرابیوں کو بیان کرتی ہیں۔ عصمت افسانہ نگار ہی کی وہ آواز ہیں۔ جو پہلی دفعہ نازک اور ناگفتہ بہہ موضوع کو بیان کرنے کے لئے گونجی تھی۔ عصمت نے سماج کی اس حقیقت کو بیان کیا ہے جو جہالت قدامت پرستی اور بے جا شرم وحیا کی وجہ سے اندر ہی اندر سڑ رہی تھی۔ سماج کی اس مکروہ

---

[1] اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۸۱۔

چہرے کو عصمت نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

عصمت نے اپنے قلم کی صناعی سے نیا ادب تخلیق کیا ہے۔ وہ اس ناسور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہیں چوکتی ہیں جو سماج کے اندر ہی اندر ناسور بن رہا تھا۔ اور سماج کو کھوکھلا کئے جا رہا تھا۔ انھون نے تل، پنکچر، بھول بھلیاں، ہیرو، جال، گیندا، بیمار، خوشگار، پیشہ، ڈھیٹ، بیڑیاں، لحاف، شادی، تاریکی، چھوٹی آپا، وغیرہ کے افسانے جنس کے موضوع پر لکھے۔ عصمت نے اپنے قلم کی توانائی سے نیا ادب تخلیق کیا، اور اس ناسور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہیں چونکی، جو سماج کے اندر ہی اندر ناسور بن رہا تھا اور سماج کو کھوکھلا کئے ڈال رہا تھا۔

عصمت نے جنسی شعور اس کی کشمکش جذباتی مسائل اس سے جڑی نفسیاتی الجھنوں کو بھی بے نقاب کیا ہے وہ جنس کو حوّا اور خوف کی شئے نہیں گردانتی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جنس میں گھٹن سے پیدا ہونے والی ذہنی کشمکش جنسی ہیجانات کا ذریعہ بھی بن جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اچھی خاصی شخصیات اس کو اپنے ذہنی و دل پر طاری کر کے اپنی صلاحیتوں اور اپنے مقام کو تباہ و برباد کر لیتی ہیں۔

نگہت ریحانہ خاں کا کہنا ہے کہ:

''عصمت کے یہاں جنسی شعور ارتقائی ہے'' [1]

کبھی کبھی کسی موضوع کا یہ بھی تقاضہ ہوتا ہے کہ اسے کھل کر بیان کیا جائے۔ اس موضوع کی اہمیت اور نزاکت کو نہ سمجھنے والے جب عصمت کے افسانے پڑھتے ہیں تو انھیں اس میں فحش نگاری اور عریانی نظر آنے لگتی ہیں اور عصمت کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے صرف یوپی کے متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی ذہنی الجھنوں اور ان سے پیدا شدہ جذباتی کمزوریوں کو ہی بیان نہیں کیا۔ بلکہ ایسی کشماکش کو بھی پیش کیا ہے۔ جس کی نوعیت ذہنی اور جذباتی ہے کیونکہ یہ طبقہ ان کا خوب دیکھا بھالا ہے۔ وقار عظیم کا خیال ہے کہ :

---

[1] اردو میں مختصر افسانہ، فنی و تکنیکی مطالعہ، ڈاکٹر نگہت ریحانہ خاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، لال کنواں، ص ۱۲۸۔

''عصمت کا فن اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ صرف ایک عورت ہی اسے پیش کرسکتی ہے عصمت کا بڑا اضافہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں بتایا ہے کہ عورت کے بھی اپنے مسائل ہیں۔ دوسری بڑی بات سماجی شعور ہے۔ انھوں نے یوپی کے متوسط طبقے کے خاندانوں کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔ اور اس میں جو پیچیدگی اور گھٹن ہے اسے بڑی لطف اور نشتر زنی کے ساتھ بیان کیا ہے۔'' [۱]

عصمت کی جنسی نگاری حقیقت کا دلکش روپ ہے۔ اس کو بیان کرنے میں ذہنی لذت اور محفوظ ہونے والی بات نہیں ہے بلکہ وہ ایسے موضوعات پر نشتر زنی کرتی ہیں جو کہ وہ صحت مند معاشرے کی علم بردار ہیں۔ اگر ان نفسیاتی مسائل پر سے پورا انصاف نہیں اٹھایا جاتا۔ تو وہ حقیقت نگاری کے فن سے پورا انصاف نہیں کرسکتی تھیں جو جنسی لطف اندوزی، خشی اور ذہنی سکون کا ذریعہ تھے۔

عصمت کے افسانے اتفاق سے اس دور میں منظر عام پر آئے جو جنسی اور معاشرتی الجھنوں کا دور تھا۔ استحصال نے عورت کو مجروح کر کے رکھ دیا تھا۔ ڈھکی چھپی غلاظت جو جنسی محرومی کے نتیجے کی پیداوار تھی۔ عصمت نے اپنے قلم سے اس کی طرف اشارہ ہی نہ کیا۔ بلکہ نفسیاتی گرہوں کو بہ حسن خوبی سلجھایا اور کھولا۔ وہ عورت کے دل کی دھڑکنوں کا تجزیہ کرتی ہیں اور ضروری سمجھتی ہیں کہ یہ ایسے موضوع ہیں جنھیں نظر انداز کرنے کے بجائے کھول کر بیان کیا جائے۔

عصمت اشتراکیت کی علمبردار تھیں۔ لیکن کارل مارکس کے نظریات سے متفق تھیں۔ وہ فرائڈ سے متاثر تھیں۔ انھوں نے حقیقت نگاری میں جنس کے پہلو کو پسند کر کے ترقی پسند حقیقت نگاری کو ایک نیا باب عطا کیا۔ وہ جنس کو حیات انسانی کا لازمی حصہ تصور کرتی ہیں۔ اور اسے بیان کرتے ہوئے نہیں جھجکتی ہیں۔

---

[۱] داستاں سے افسانے تک، وقار عظیم، ص ۱۰۰۔

ہمارا سماج فرسودہ رسم و رواج کی بے جا بندشوں کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ عصمت اس کو دیکھ کر ہی بے چین ہو جاتی تھیں۔ عورت کے جذبات کا گلا گھونٹ دینے کے بعد یہ بندھا ہوا باندھ کونسی حد کو توڑ کر باہر نکل سکتا ہے۔ عصمت اس کا بیان اپنے مختلف افسانوں میں کرتی ہیں۔ مثلاً گیندا، جو بیوہ ہے جس کے اندر جوان خون ہے اور ٹھاٹیں مارتا ہوا جذبات کا طوفان، وہ کس طرح مرد کا سہارا پا کر بکھر جاتی ہے۔ اس افسانے میں عصمت نے دس بارہ سال کی لڑکیوں کے جذبات کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور کمسن لڑکی کے جذبات کو بے باکی وصفائی سے پیش کیا ہے۔ اگر بچوں کے سامنے جنس وغیرہ کی باتیں کریں گے تو ان کے دل میں وہی بات کرنے کی خواہش ہوگی۔ جس طرح بی بی کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ گیندا کو مالک کا جوان لڑکا اپنی ہوس کا نشانہ بنالیتا ہے۔ اور گیندا اس کے ناجائز بچے کی ماں بن جاتی ہے۔ لیکن سارا الزام صرف گیندا پر عائد کر دیا جاتا ہے۔

''اے ہے وہ تو مارے ڈالتا تھا۔ بڑی آفتیں اٹھی بیوی نے کہا:

''میں نے فوراً اسے دہلی چلتا کیا۔ پڑھنے والا بچہ۔ یہ نیچ ذات کمینیاں، شریفوں کو یونہی اور پھر باوجود سانس روک کے، سننے کے میں آگے نہ سمجھ سکی''۔[1]

جنس کے موضوع پر ان کا ایک اور کامیاب افسانہ لحاف ہے۔ جوان کا بدنام زمانہ افسانہ ہے اس میں ایک ایسی عورت کا نقشہ کھینچا ہے جس کی شادی ہو جاتی ہے مگر پھر بھی جنسی تشنگی باقی رہتی ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو دوسرے طریقے سے پورا کرتی ہے۔

''بوکو گھر کا اور کوئی کام نہ تھا۔ بس وہ سارے وقت ان کے چھپر کھٹ پر چڑھی کبھی پیر کبھی سر اور کبھی جسم کے اور دوسرے حصہ کو دبایا کرتی تھیں۔

''تمہارے پاس آجاؤں بیگم جان''

---

[1] افسانہ گیندا، عصمت چغتائی، ص ۷۷-۷۸۔

نہیں بیٹی، سو رہو، ذرا سختی سے کہا۔

اور پھر دو آدمیوں کے کھسر پھسر کرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ہائے یہ دوسرا کون۔ میں اور بھی ڈری۔

''بیگم جان۔ چور اور تو نہیں''

سو جاؤ بیٹا، کیسا چور، ربو کی آواز آئی۔ میں جلدی سے لحاف میں منہ ڈال کر سو گئی''۔ [1]

اس افسانے میں عصمت نے اس المیہ کو پیش کیا۔ جو بے جوڑ شادی کا نتیجہ ہے بیگم جان کی شادی پیسے کی مجبوری کی وجہ سے اس کے ماں باپ پختہ عمر کے نواب سے کر دیتے ہیں۔ جو محل میں رکھ کر اپنی بیوی کو بھول جاتا ہے آخر کار مجبور ہو کر بیگم جان کو غیر فطری طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اور اپنی ملازمہ ربو کے ساتھ زندگی گزارنے لگتی ہے۔ اس افسانے میں بڑی عریانیت نظر آتی ہے۔ صرف اسی وجہ سے کہ اس کہانی کو معصوم بچی کی زبان بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں عورت کی مظلومیت کو پیش کیا ہے عصمت نے جنسی عریاں کو بے باکانہ طور پر نئے انداز میں پیش کیا ہے ان کے اس انداز کا تجزیہ کرنے والوں نے اس کے پس پشت کی شخصیت کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ [2]

سماجی حقیقت نگاری :

عصمت کا دوسرا اہم موضوع سماجی حقیقت نگاری ہے۔ عصمت نے گھریلو زندگی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے سماجی بندشوں کو توڑنے کا بیڑا اٹھایا۔ عصمت کو سماجی حقیقت نگاری پر عبور حاصل ہے۔ عصمت نے شمالی ہندوستان کے متوسط طبقے کے افراد کی زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے فرسودہ رسم و رواج کی کھل کر مخالفت کی۔ وہ سماج کے اس مخصوص انداز کے بھی خلاف تھیں۔ جس کے

---

[1] افسانہ لحاف، عصمت چغتائی، ص ۴۹-۴۸۔

باعث گھٹن کی سی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ سماجی حقیقت نگاری عصمت کی افسانوی زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے جو ان کو مشاہدے اور شعور کی پختگی عطا کرتی ہے انھوں نے چوتھی کا جوڑا، ننھی کی نانی، دو ہاتھ، بے کار، چھوئی موئی، نیرا، نیند، کلوکی ماں، بچھو پھوپھی، ساس، ڈائن، چٹان، کنواری کاروبار ایک شوہر کی خاطر، سونے کا انڈا، نفرت، جوٹھی تھالی جیسے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کا تجزیہ کیا ہے۔

چوتھی کا جوڑا عصمت کا مقبول ترین افسانہ ہے۔ جس میں عصمت نے مسلمانوں کے متوسط طبقے کے مسئلہ کو بخوبی پیش کیا ہے۔ وہ صرف کبریٰ کی شادی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پورے معاشرے کا مسئلہ ہے۔ عصمت نے اس افسانے میں دکھایا ہے کہ تقسیم کے بعد سارے لڑکے پاکستان چلے جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر کبریٰ کی شادی نہیں ہو پاتی ہے۔ اس افسانے کا المیہ کوئی نہیں ہے کبریٰ جیسی ہزاروں لڑکیاں ہندوستان کے عام گھرانوں میں شادی کے ارمان لئے دنیا سے چلی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن اپنی رائے اس افسانہ پر دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عصمت نے اس دور میں ایک عظیم کہانی لکھی ہے۔ چوتھی کا جوڑا یہ بڑے سلیقے سے لکھا ہوا ایک مرثیہ ہے ایک عظیم تمدن کا مرثیہ جس میں مسلمانوں کے متوسط طبقے کا ایک نمائندہ مسئلہ بڑے خوبصورت تجزیے کے ساتھ سامنے آتا ہے''۔[1]

عصمت نے اس معاشرہ کی عکاسی جس خوبی سے کی ہے یہ انھیں کا جذبہ ہے۔ افسانہ نگار نے کبریٰ حمیدہ اور ان کی ماں کے درد اور کرب کو مختلف منازل سے گزار کر ایک ایسے معاشرے کے ماحول رہن سہن اور کرداروں میں تشکیل کی ہے جن کی خواہشات جذبات، مفلسی اور غربت کی چٹان کے نیچے دب کر ختم ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ کبریٰ کی طرح موت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ اور یوں

---

[1] ادبی تنقید، ڈاکٹر محمد حسن، ص ۱۱۳۔

کہانی ختم ہو جاتی ہے۔حمیدہ کا بے زبان کردار کچھ نہ کہنے کے باوجود معاشرے سے جواب طلب کر دیتا ہے۔

اس افسانہ میں آرٹ اور زندگی کے ہر پیچ وخم کو نگاہوں میں رکھ کر حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے یہ کسی کردار کی آپسی خلش نہیں ہے۔جس سے عصمت نہ آشنا ہوں اس گھر کے زرہ زرہ سے عصمت واقف ہوتی ہیں اور اس میں انھوں نے اپنی فن کارانہ بصیرت کے ساتھ ساتھ یہ ایک عظیم افسانہ تخلیق کیا ہے۔

ننھی کی نانی بھی عصمت کا ایک شاہکار افسانہ ہے۔عصمت کو سماج کی نا انصافیوں کا شدید احساس تھا۔اس احساس کو عصمت نے ایک بوڑھی عورت کی زبانی بیان کیا ہے۔اور معاشرے کی برائیوں کا پردہ فاش کیا ہے اور نچلے متوسط طبقے کا المیہ پیش کیا ہے۔

> ''ننھی کی نانی کے ماں باپ کا نام اللہ جانے کیا تھا۔لوگوں نے انھیں اس نام سے یاد نہ کیا۔جب چھوٹی سی گلیوں میں ناک سرسڑاتی پھرتی تھی۔تو بصاطن کی لونڈیاں کے نام سے پکاری گئی۔پھر کچھ دن بشیرے کی بہو کہلائیں۔ پھر بسم اللہ کی ماں کے لقب سے یاد کی جانے لگی۔ اور جب بسم اللہ جاپے کے اندر ہی ننھی کو چھوڑ کر چل بسیں۔تو وہ ننھی کی نانی کے نام سے دم تک پہنچائی گئی''۔[1]

اس کہانی کی مرکزی کردار ننھی ہے یہ کہانی ننھی کے اردگرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔اس میں عصمت نے ننھی کو گاؤں کے مکھیا ڈپٹی صاحب کے ہاتھوں لٹتے دکھایا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ انسان ہی انسان کی تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتا ہے عصمت کی یہ کہانی بھی سماج کے ایک بڑے المیہ کو پیش کرتی ہے۔

دو ہاتھ عصمت چغتائی کا شاہکار افسانہ ہے۔دو ہاتھ میں انسانی رشتوں کے درمیان ایک ایسے

---

[1] عصمت چغتائی، ننھی کی نانی، ص ۲۴۱۔

المیے کو پیش کیا گیا ہے جس کا بظاہر احساس خود اس کردار کو نہیں۔ جو اس سے دو چار ہیں۔ ان کا بھولا پن ان تمام جذبوں سے عاری ہونا ہی کہانی کی سب سے بڑی خوبی ہے وہ بدکاری اور غیر سماجی رشتوں کے حصول پر بھلاتا نہیں ہے۔ بلکہ اسے وہ ایک نعمت سمجھ کر قبول کر لینے ہی کو اپنے لئے راہِ نجات تصور کرتا ہے۔ کہانی ایک کردار نگاری کی حرکات وسکنات سے پیش آنے والے نئے نئے امکانات کو جنم دیتی ہیں۔ گوری اگر چہ ایک مہترانی ہے لیکن اس کی اٹھلاتی ہوئی جوانی اور آزاد روی، بہتوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ شادی کے بعد اس کا شوہر رام اوتار فوج میں بھرتی ہو کر باہر چلا جاتا ہے اور گوری تنہا رہ جاتی ہیں۔ اگر چہ رام اوتار کی ماں اپنی بہو کو لاکھ قبضہ میں رکھنا چاہتی ہیں مگر وہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ اس کی جوانی اور اس کے شوہر سے دوری ایسی صورت حال کو جنم دیتی ہیں جو غیر متوقع نہیں۔ پھر ایک ناجائز بچے کی پیدائش رام اوتار کی ماں کے لئے تو پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ لیکن دوسرے بہت سے لوگ اس معاملے میں تفریحاً دل چسپی لیتے ہیں۔ اتنے میں رام اوتار کے آنے کی خبر آتی ہے۔ جس سے لوگوں میں ذہنی تناؤ اور بھی شدید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سب ہی لوگوں کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس خبر سے رام اوتار پر فطری ردّعمل بڑا ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا رام اوتار پر کوئی خطرناک ردعمل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک عجیب کیفیت ظاہر ہوتی ہے وہ اس کے بچے سے اپنی محبت اور امیدوں کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں پر افسانہ کسی غیر یقینی موڑ پر قاری کے ذہن کو سماج کے غیر مساوی نظام حیات کے خلاف احتجاج کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ جس سماج یا جس طبقے سے رام اوتار تعلق رکھتا ہے وہاں رشتوں کی پاکیزگی کے احترام سے کہیں زیادہ پیٹ کی آگ بجھانا اور بے فکری سے زندگی گزارنا زیادہ اہم ہے۔ اس افسانے کی راوی خاتون کے والدین کی حیثیت گاؤں کے پردھان کی سی ہوتی جب وہ رام اوتار کو بلا کر واقعہ کا انکشاف انتہا ہی سنجیدگی سے کرتے ہیں تب رام اوتار باتیں سن کر جواب دیتا ہے۔

''سرکار بڑا ہو جائے گا اپنا کام سمیٹے گا۔ رام اوتار نے گڑگڑا کر سمجھایا۔ دو ہاتھ لگائے گا تو اپنا بڑھاپا بہتر ہو جائے گا۔ ندامت سے رام اوتار کا سر جھک گیا۔'' [۱]

دو ہاتھ ایک اوّل درجے کا افسانہ ہے۔ عصمت کے زیادہ تر افسانے ذاتی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ افسانہ ان کے زمرے میں آتا ہے۔ بطور ایک فن کارہ کے عصمت کی تمام تر ہمدردی اس کے مرکزی کردارہ بوڑھی مہترانی اور رام اوتار کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہیں کہ افسانے کے مخصوص سیاق وسباق میں جب دو ہاتھ کا معاملہ پیش آتا ہے تو وہ ہاتھ حرامی ہوتے ہیں اور نہ حلالی وہ تو محض دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ جیتے جاگتے کام کرنے والے درزی روٹی دینے والے حیات بخش کے ہاتھ ہیں۔

دو ہاتھ افسانے میں انسانی رشتوں کے مابین ایک ایسے واقعہ کو عصمت نے پیش کیا ہے۔ جس کا بظاہر احساس خود کردار کو نہیں ہوتا۔ جو اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ کردار کی سادہ لوہی اور اس کی معصومیت افسانے کی کہانی پن کو جلا بخشتی ہے۔

یہ افسانہ ان کے فن اور تکنیک کی اچھی مثال پیش کرتا ہے۔

''چھوئی موئی'' عصمت چغتائی کا ایک اچھا افسانہ ہے۔ چھوئی موئی کا موضوع عورتوں کے مسائل سے ہے۔ جب اولاد نہیں ہوتی تو انسان پر کیا گزرتی ہے۔ اس افسانے میں یہ بتاتی ہیں کہ جب عورت کا شادی کے بعد پیر بھاری ہوتا ہے تو گھر کے سارے افراد بہت خوش ہوتے ہیں ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ دلہن کو ہاتھوں ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی آنچ نہ آجائے۔ اس کے ساتھ سب لوگ اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ دعا، تعویز، ٹونے، ٹوٹکے سب کچھ کراتے ہیں۔ تاکہ اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔ بچہ اچھی طرح پیدا ہو جائے۔

چھوئی موئی عورتوں کے داخلی کیفیتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس افسانے کے اندر عورت کے

---

[۱] افسانہ، دو ہاتھ، عصمت چغتائی، ص ۴۳۔

دکھ درد کو بہت ہی اچھے ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔عصمت چغتائی کیونکہ عورت ہیں اس لئے عورتوں کے دکھ درد کو اچھی طرح جانتی ہیں۔انھیں عورتوں کے نفسیاتی کیفیات پیش کرنے میں ملکہ حاصل ہے۔اس افسانے میں انھوں نے فن اور تکنیک کا اچھا تجزیہ کیا ہے ان کا فن اس افسانے کے اندر اچھی طرح نمایاں ہے۔یہ افسانہ فنی تقاضوں کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔چھوئی موئی میں زبان اچھی طرح استعمال کی گئی ہے۔عصمت چغتائی نے متوسط طبقے کے گھروں میں جو زبان بولی جاتی ہے۔اسی زبان اور محاورے کو اس خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ان کے دیگر افسانوں میں چھوئی موئی کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

کلو میاں کی ماں عصمت چغتائی کا ایک اور افسانہ ہے۔اس افسانے میں عورت جب بیوہ ہو جاتی ہے تو وہ کیسے زندگی گزارتی ہے۔کلو کی ماں کم عمر میں بیوہ ہو جاتی ہے۔شوہر کی موت کے بعد اسے معاشی بدحالی کا شکار بننا پڑتا ہے۔اس کی زندگی کی نگرانی کرنے والے اس کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔وہ اکیلی ہوتی ہے۔کلو کی ماں کی تصویر کشی کرتے ہوئے عصمت چغتائی لکھتی ہیں۔

> ''کلو کی ماں ویسے ہماری دور کی خالہ تھی۔پڑوسنوں کو خالہ کہہ لیتے۔پر انھیں خالہ کہتے عارسی آتی۔امتیازی کو نہ کہنے پر کلو کی ماں ضرور کہتے، گرتے گرتے ان کی پوزیشن نوکروں، جیسی ہوگئی تھی۔وہ جہاں بھی جائیں۔دو چار دن کی مہمان داری کے بعد لوگ دھیرے دھیرے انھیں ڈھب پر لے آتے۔ماما کھسکا دی جاتی۔اور وہ بغیر تنخواہ کے صرف پھٹے پرانے کپڑے اور روٹی پہ ماما کا عہدہ کا سنبھال لیتی۔میاں لام پر گئے۔سو نہ جانے کس کی گولی کھا کر ڈھیر ہو گئے''۔[۱]

یہ افسانہ عصمت چغتائی کا شاندار افسانہ ہے جو بیوہ عورتوں کی طرف داری کرتا ہے۔عصمت چغتائی نے اس افسانے کے ذریعہ بیوگی کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ساتھ ہی بیوہ

---

[۱] افسانہ، کلو کی ماں، عصمت چغتائی، ص ۶۴۔

عورتوں کو سماجی زندگی مستحکم بنانے پر زور دیتی ہیں۔ کلو کی ماں موضوع اور فن دونوں لحاظ سے ایک اچھا افسانہ ہے۔ کیونکہ اس افسانے میں عصمت کا سماجی شعور ایک نئے روپ میں نکھر کر سامنے آتا ہے۔ جو ترقی یافتہ معاشرے میں کلو کی اچھی نشاندہی کرتا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک اور افسانہ ساس ہے۔ اس افسانے میں یہ بتایا ہے کہ ساس بہو کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرتی ہے۔ اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتی ہے۔ اسے اس بات سے غرض نہیں کہ بہو فی الواقع قصوروار ہے یا نہیں۔ اسے تو صرف کوسے دینے سے مطلب ہے۔

''بذات، ٹھہر جا، ٹھہر جا، آنے دے۔ اپنے چچا سے وہ کھال ادھڑواتی ہوں کہ بس''۔[۱]

یہ خوبصورت افسانہ روایتی ساس کی کردار کی بحسن و خوبی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ ایک بے حد تیز و تند اور کرخت درست مزاج عمر رسیدہ عورت کی ہے۔ وہ زہر کی پوٹلی ہے۔ جو بات بات پر دشنام طرازی پر اتر آتی ہے۔ وہ بہو کو زرخرید باندی سمجھتی ہے۔ اور اس سے ویسا ہی سلوک کرتی ہے اور بغیر رکے تھمے روز روز بے جواز اسے اپنے عتاب کا نشانہ بنائے رکھتی ہے۔ وہ طامع اور حریص ہے اور اسے مستقل طور پر یہ شکایت رہتی ہے کہ بہو معقول جہیز نہیں لائی اور اسے کوستے ہوئے وہ بے دریغ اس کے میکے والوں کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ساس اس افسانے کا مرکز و محور ہے۔ اس کا کردار بڑا ابھرپور جاندار پر اثر ہے وہ سارے افسانے کو اپنی ضعیف العمری کے باوصف کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔

یہ افسانہ اس کے عنوان کی نسبت سے محض ایک ساس کے کردار کو ہی نمایاں نہیں کرتا۔ بلکہ یہ نوجوان جوڑے کے پیار و محبت کی داستان بھی اپنے آپ میں سموئے ہوئے ہے گو کے بڑھیا اپنے کردار سے گھر میں تناؤ بنائے رکھتی ہے مگر اصغر اور بہو اس سے بے گانہ و بے نیاز جوانی کی شوخیوں، شرارتوں اور پر لطف چھیڑ چھاڑ سے اسے بے کیف اور بے رنگ نہیں ہونے دیتے۔ درحقیقت اس

---

[۱] عصمت چغتائی، ساس، مجموعہ، ایک شوہر کی خاطر، روہتاس بکس، لاہور، ص ۶۔

افسانے کی جاذبیت اور دل کشی بہت حد تک ان کی مرہون منت ہے۔ گویا اس افسانے میں جہاں ایک طرف بڑھیا کا بہت خشک کھردرا اور بے آب و رنگ کردار ہے وہیں دوسری طرف اصغر اور بہو کے شوخ رنگین اور سرسبز و شاداب کردار بھی ہیں جو قاری کو تلطف اور تلذر مہیا کرتے ہیں۔ عصمت کا فن اشارے کنائے کا فن ہے۔ انسانی جذبات و احساسات کی بے مثل عکاسی جو افسانے میں زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ مکالمات کی چابکدستی جوان کی ذہنی اپج اور ذرخیز دماغی کی دین ہے۔ اور آخر میں عصمت کی زبان و بیان پر غیر معمولی دسترس جو انھیں ہم عصروں پر فوقیت عطا کرتی ہے۔ عصمت کا افسانہ ساس ایک گرانقدر افسانہ ہے۔ اور کردار نگاری کے اعتبار سے اس کا شمار عصمت کے چوٹی کے افسانوں میں ہوتا ہے۔

سونے کا انڈا ایک اچھا افسانہ ہے اس افسانے میں انھوں نے زبان اور محاوروں کا مناسب بخوبی استعمال کیا ہے۔ اس میں مسلم متوسط گھروں میں رہنے والی عورتوں اور لوگوں کی نظریاتی اور سماجی زندگی بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ ایک طرح کا داخلی ریورتاژ کی تکنیک میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ اس میں مصنف پر جو کچھ بیتا جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اس کے تمام اچھے برے پہلوؤں کے ساتھ اپنی زبان میں بیان کرتا ہے۔ چونکہ اس کہانی میں واقعات بیان کرنے کے ساتھ افسانہ نگار خود اپنے تاثرات کا بھی اظہار کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے داخلی رپورتاژ کہنا درست ہے۔ اس افسانے میں یہ بتایا ہے کہ اولاد ہونے پر تو گھر میں شادیانے بجنے لگتے ہیں اور لڑکی پیدا ہونے پر اداسی چھا جاتی ہے۔ بندو میاں کے یہاں ایک کے بعد جب تیسری اولاد بھی بچی ہی ہوتی ہے تو گھر کے تمام افراد کے ارمانوں پر مکمل اوس پڑ جاتی ہے۔ جس کی زد سے دادا اور دادی بھی محفوظ نہیں رہ پاتے۔ لڑکی پیدا ہونے کی خبر سن کر گھر والوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کا ذکر ایک جگہ عصمت چغتائی اس طرح کرتی ہیں۔

''دیوار کے اس پار صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ دہلیز پر بندو میاں کی ماں، پھسکڑا مارنے بیٹھیں نکمی بہو کی سات پشت کو گالیاں دے رہی تھی۔ موٹی ہجڑوں کے خاندان کی۔ لونڈیا نہ جنے گی تو اور کیا کرے گی''۔[1]

اس افسانے میں انھوں نے عورت کی نفسیاتی کیفیات کا تجزیہ بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ جو ان کا مرکزی خیال ہے۔ وہ یہ کہ عورت آج کے پر آشوب دور میں معاشرتی زندگی میں ہدف تنقید بنی ہوئی ہے۔ عصمت چغتائی بتاتی ہیں کہ عورت بے بس اور کس مپرسی کے عالم میں زندگی کی تلخیوں کو اس لئے اپنے سینے سے لگائے ہے۔ وہ ایک صرف کے عورت کے روپ میں نہیں۔ بلکہ ایک ماں کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

عصمت نے دیگر موضوعات کو بھی اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ مثلاً فسادات، قومی یکجہتی، یا اشتراکیت کی کوشش وغیرہ، جڑیں، لال چیونٹے، کچے دھاگے، ہندوستان چھوڑ دو کافر، بھیڑیں، مٹھی مالش، نوالہ، نفرت، کیڈل کورٹ، نمک کی ستیہ گرہ، کیوں رے کتے، بن بلایا مہمان جیسے افسانوں میں انھوں نے سیاسی جاگیرداری، بے کاری، ملک کی تقسیم، آزادی کی جدو جہد، دھوبیوں، چماروں اور مزدوروں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اور کامیاب رہیں۔ ہندوستان چھوڑ دو بھی ایک بہت کامیاب افسانہ ہے۔

عصمت نے ان افسانوں کا تانا بانا جس قسم کے واقعات سے منتخب کیا ہے وہ پلاٹ کو چست ڈھلا ڈھلایا بنا دیتے ہیں۔ عصمت نے سیاسی، سماجی، جنسی، نفسیاتی جیسی قسم کے بھی موضوع کو پیش کیا ہے، اس میں وہ تسلسل کو برقرار رکھتی ہیں۔ پلاٹ کی تنظیم ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی ہے۔ عصمت پلاٹ کو تیار کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتی ہیں۔ ان کے پلاٹ غیر منطقی بھی نہیں ہوتے۔ عصمت کے افسانوں کے پلاٹ سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ وہ پلاٹ کو اس قدر گھٹا ہوا اور مکمل

---

[1] افسانہ، سونے کا انڈا، عصمت چغتائی، ص ۱۷۳۔

بنا دیتی ہیں کہ تسلسل آخر تک برقرار رہتا ہے۔ چوتھی کا جوڑا، دو ہاتھ، ننھی کی نانی، عشق پر زور نہیں، وغیرہ کے پلاٹ بڑی احتیاط سے تیار کئے گئے ہیں۔ مثلاً چھوٹے چھوٹے واقعات ان کے افسانوں میں پلاٹ کی تشکیل کرتے ہیں۔

کردار نگاری :

عصمت متضاد اور مخالف کرداروں کو پیش کرنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ ان کی بصیرت نے انھیں ایسے الفاظ کا تجزیہ کرنے کا حوصلہ دیا ہے جو ان کے آس پاس کے ماحول میں موجود تھے۔ عصمت کرداروں کے سلسلے میں اگر چہ اپنے خاندان اپنے قریبی حلقے کا انتخاب کرتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود عورتوں اور مردوں کے کردارو میں تفریق نہیں کرتیں۔ یا پھر امتیاز نہیں برتتی۔ انھوں نے تو ایسے کرداروں کو اپنے فن کا نمونہ بنایا۔ جو سماج میں معیوب تھے۔ اور جذباتی الجھنوں کی وجہ سے ہدف ملامت بنے ہوئے تھے۔ فضیل جعفری کا کہنا ہے کہ:

> ''عصمت اپنے کرداروں سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ خود کبھی کبھی کردار بن کر بولنے لگتی ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ کبھی کبھی کردار کی فطرت کے خلاف اس کے گردن پکڑ کر بعض کام کرنے پر اور بعض کام نہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔'' [1]

عصمت نے معاشرے کا مطالعہ کر کے کرداروں کو اس میں سے چنا گھٹے گھٹے ماحول میں سسکتی دم توڑتی۔ دلکش و قابل ستائش لڑکیاں ان کے افسانوں کا کردار بنتی ہیں۔ اور ان کے افسانوں کی فضا پہچانی ہوئی ہے۔ متوسط اور درمیانی طبقے کے وہ افراد جو سماج میں آس پاس موجود ہیں۔ اور یہ لوگ مالی، دھوبی، مزدور اور ہریجن ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کرداروں کی مخصوص ذہنیت عصمت کے قلم کی گرفت میں آجاتی ہے۔ وہ ان باطن کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ اور اس مشاہدے میں ان کے توہمات ان

---

[1] فضیل جعفری، عصمت چغتائی کا فن، ص ۴۲۹، مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۱ء۔

کی جہالت ان کی غربت فرقہ پرستی، مذہبی اور عاشقانہ جنون پر کچھ انتخاب کرتی ہیں۔ اور ان مسائل کو بڑی خوبصورتی سے بیان کر دیتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ عصمت صرف متوسط اور نچلے طبقے ہی تک محدود رہتی ہیں۔ بلکہ عصمت نے نوابوں اور امیر زادوں کی بھی زندگی کا مطالعہ کیا۔ ان کی عیّاشیوں اور ان کی محرومیوں کو بھی اپنے افسانے میں پیش کیا۔ مثلاً لحاف، بیگم جان، نواب صاحب، نفرت کا منومیاں۔

عصمت کو کتابیں پڑھنے کا کم اور زندگی پڑھنے کا زیادہ شوق تھا۔ وہ کرداروں کے نازک نازک رشتوں کو بھی سمجھتی تھیں۔ آپسی تعلق کو بھی محسوس کرتی تھیں۔ اکتا دینے والی زندگی جھوٹے اور بے مقصد قسمیں بناوٹی ہنسی دکھاوے کی مسرت اور خوشی عصمت اپنے کرداروں کے افعال سے تاڑ لیتی تھیں۔ انھوں نے جن کرداروں کا انتخاب اپنے قریب سے کیا۔ وہ کردار ان لڑکیوں اور عورتوں کے ہیں جنھیں محرومیوں نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ عزیز احمد نے عصمت کے کرداروں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :

> ''عصمت کی ہیروئن سب سے بڑی ٹریجڈی ہے کہ دل سے نہ اسے کسی مرد نے چاہا اور نہ اس نے کسی مرد کو۔ عشق ایک ایسی چیز ہے جس کا جسم سے وہی تعلق ہے جو بجلی کا تار سے ہے۔ لیکن کھٹکا دبا دو تو یہی عشق ہزاروں قندیلیوں کے برابر روشنی دیتا ہے۔ دوپہر کو جھلسی لو میں پنکھا جھلتا ہے ہزاروں دیوؤں کی طاقت سے زندگی عظیم الشان مشینوں کے پٹے گھماتا ہے اور کبھی کبھی زلفوں کو سنوارتا ہے اور کپڑوں پر استری کرتا ہے ایسے عشق سے عصمت بحیثیت واقف ہیں۔''[1]

اس طرح ان کے مرکزی کردار بھی ان کے آس پاس ہی نظر آتے ہیں۔ اور یہ کردار مسلمان طبقے کے افراد بھی ہیں۔ ان کے کردار جیتی جاگتی زندگی کے مظہر نظر آتے ہیں۔ اس لئے ناقائدین نے

---

[1] ترقی پسند ادب، عزیز احمد، ص ۱۴۲۔

عصمت کے فن پر لکھتے ہوئے کہا ہے۔ اس کی کہانیوں کے افراد جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ اور ان کے رشتے بھی کوئی نئے نہیں ہوتے۔ رشتوں کی وجہ اشتراک دراصل حق سے قائم ہوتی ہے۔ مرضی اور زبردستی سے یہ رشتہ قائم ہوتا ہے۔ مگر استحصال کا پہلو کردار کی تشکیل کے لئے اپنایا جاتا ہے۔ زبردستی ازدواجی بندھنوں میں بندھے، محبت میں عاری میاں بیوی بھی ان کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔

عصمت نے اپنے بعض افسانے چھوٹی عمر کے کرداروں کے ذریعہ بھی پیش کئے ہیں۔ جیسے لحاف، بھول بھلیاں، جال، گیندا، اور یہ فن کا تقاضہ بھی تھا کہ بے باکی کے ساتھ اپنائیت اور کنائے کا سہارا لیا جائے۔ افسانہ لحاف جیسے موضوع کو ایک بچی کی زبانی بیان کر کے عصمت نے بہت ہی ناگفتہ بہہ شخصیات کو ڈھکا چھپا کر بیان کیا ہے۔ اس طرح گیندا میں ایک بچی کے دل سے اٹھنے والے نازک بیان بھی سامنے آتے ہیں کہ وہ رشتوں کے جال کو باخوبی سمجھتی ہیں اور نازک سے نازک رشتوں میں جڑے افراد کے درمیان فرق کو بھی پہچان لیتی ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ وہ گھریلو زندگی کی عکاسی ہے عصمت کے فن کے سلسلے میں بے انصافی ہے کیونکہ عصمت سماج کے ہر طبقے کو ہر محفل ہر پہلو کو ہر ماحول کو اپنا موضوع بناتی ہیں۔ اور اس سے جڑے ہوئے افراد ان کے کردار بن جاتے ہیں۔ مثلاً ڈائن میں رضیہ کا کردار جو محض اپنی سستی اور سیدھے پن کی وجہ سے اپنا سارا کام اپنے مرد کے سپرد کر کے اپنے شوہر کی نفسیاتی الجھن کا شکار بنا دیتی ہیں یا پھر افسانہ جوانی میں جنو کا کردار یا شادی میں مسٹر دوبے کا جو رشتوں کے جال میں جکڑے ہوئے ہیں اور اپنی متضاد شخصیات کے باوجود سب کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور ہیں۔ ڈاکٹر صادق کا کہنا ہے :

> ''عصمت چغتائی کے افسانوں کے کردار خوشبوں کا تعاقب ضرور کرتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ درد و غم اور آنسو کے سوا کچھ نہیں آتا۔'' [1]

عصمت نے ہر کردار پر توجہ دی ہے خاص طور پر انھوں نے عورتوں کو کم اور لڑکیوں کو اپنے قلم کا

---

[1] ترقی پسند تحریک اردو افسانہ، ڈاکٹر صادق، ص ۲۲۳، نعمانی پریس، دہلی، ۱۹۸۱ء۔

نشانہ بنایا ہے۔ان کے افسانوں میں اگر دیوی دیوتاؤں کی جھلک لگتی ہے تو وہ بشریت کے پردے میں چھپ کر انھوں نے مسلمان اور متوسط طبقے کی گھریلو زندگی کے نسوانی کرداروں کو منتخب کیا ہے۔ جیسے بھول بھلیاں کی رفیعہ تل کی رانی، جنازے کی راحت، جال کی عطفی صفیہ، چوتھی کے جوڑے کی کبریٰ، حمیدہ، ڈائن کی رفیعہ، تاریکی کی صفیہ، کافر کی معنی، نفرت کی فخرن، ننھی کی جان کی نزہت سلمہ وغیرہ ہیں۔ان کے افسانوں کا یہ نظر غائر مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے صرف اور صرف کرداروں کے ذریعہ معاشرے کے اخلاقی رجحانات کی آئنہ داری کی ہے۔ وہ معاشرے کے گھناؤنے پہلو کو بھی حیات کے پیچیدہ مسائل کو بھی کرداروں کے ذریعہ پیش کرتی ہیں۔

اس طرح عصمت صنف قوی یعنی مردوں کے کردار کو بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کرتی ہیں۔ جو ایک طرف شائستگی، وقار اور سماجی حیثیت کو قائم رکھتا ہے۔اور یہ جوار بھاٹا عصمت کو جنسی موضوعات پر لکھنے پر آمادہ کرتی ہیں۔وہ نفسیاتی پیچیدگیاں جو فرسودہ رسم ورواج کی عنایت کردہ ہیں۔عصمت نے ان گھٹی گھٹی کیفیات کو ذہنی الجھنوں اور جذباتی رومانی کیفیات میں پیش کیا ہے۔

رومانیت :

عصمت نے اپنے افسانوں میں رومانیت کو بھی پیش کیا ہے۔مگر ان کی رومانیت آہیں بھرنے دل سوزی کرنے اور سراپا مطیع اور فرماں بردار رہنے کا روپ اختیار نہیں کرتی۔ان کی رومانی فضا جس جذبہ عشق سے عبارت ہے وہ جذبہ عشق بے باک اور بے لاگ قسم کا ہے جو کسی سے دبتا نہیں بلکہ ایک باغی ذہن اور انقلابی رویے کا مالک ہے۔ان کے رومانی افسانے میں حقیقت نگاری بھی نظر آتی ہے۔ پنکچر بھول بھلیاں، کافر، گیندا، وغیرہ رومانیت کارفرما ہیں۔

''بچو جاؤ، مت میں مرجاؤں گا۔اور بری طرح بچوں کو طرح مجھ سے لپٹ گیا۔اور اس کی آنکھیں وہ جیسے نہ جانے آج مجھے ان آنکھوں میں کیا نظر آرہا

تھا۔ میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ شوخی سے تھرکنے کے بجائے چڑھتی ہوئی اور گہری تھی۔ کچھ پاگل سی کچھ عجیب مجھے تھوڑی دیر کے لئے یہ معلوم ہوا گویا اندھیرے پیچ دار راستوں میں پریشان چکر لگا رہی ہوں۔ اور کوئی دروازہ نہیں۔ [۱]

رومانیت کا ایک اور افسانہ کافر ہے۔ کافر عصمت چغتائی کا بہت ہی اچھا افسانہ ہے۔ ان کا افسانہ ترقی پسند افکار و خیالات کا مظہر بھی ہے۔ عصمت چغتائی نے اور بھی طرح کے افسانے لکھے ہیں جو ماں، بہن، بھائی، پھوپھی، خالہ وغیرہ کے روپ میں آتے ہیں۔ کچھ افسانے انھوں نے طوائف کی شکل میں لکھے ہیں۔ جن میں انھوں نے عورت کے طوائف کے روپ میں پیش کیا ہے۔

عصمت چغتائی کے یہاں آزادی بھری ہوئی ہے۔ ان کے افسانے آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اسے اشترا کی روانی حقیقت نگاری قرار دیتے ہوئے ش اختر لکھتے ہیں :

''اشترا کی رومانی حقیقت نگاری کی آئنہ داری ''کافر'' میں ہوتی ہے۔ یہ کہانی عصمت کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ انھوں نے عورت اور مرد کے استحصال پسندانہ رشتہ کا مذاق اڑایا ہے۔ اور کافر لکھ کر دونوں کے درمیان ایک نئے رشتے کی بنیاد ڈالی۔ ابھی تک انسان ذات، فرد اور مذہب کے خانوں میں منقسم تھا۔ اب ان میں دو زن پیدا ہوئے تا کہ سورج کی شعاع پہنچ سکے اور بیمار زہنوں کو راحت مل سکے''۔ [۲]

عصمت چغتائی کا یہ افسانہ ان کے تمام تر افسانوں کے مقابلے ایک نئی جہت کو روشن کرتا ہے۔ کیوں کہ ان کا یہ افسانہ حقیقت نگاری پر ہے۔ اس افسانہ میں مرد اور عورت کو ہمکنار کیا ہے۔ جو بہت

---

[۱] بھول بھلیاں، عصمت چغتائی، ص ۱۹-۱۸۔

[۲] شناخت، ش اختر، ص ۱۳۶۔

پہلے سے الگ تھلگ اس افسانہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں عصمت کے اشترا کی اور ترقی پسندی کے رجحان نیز ہندو مسلم اتحاد اور انسانی دوستی کے نظریہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی ہے۔ یہ افسانہ بہت ہی اچھا افسانہ ہے۔اس میں کرداروں کے مکالمے بہت اچھے انداز میں لکھے گئے ہیں۔

منظر نگاری :

عصمت کو منظر نگاری پر عبور حاصل ہے۔ وہ عام افسانہ نگاروں کی طرح محض صبح کی روش، اور چمکیلی فضا یا شام کے سائے نہیں پیش کرتی ہیں۔ان کے افسانوں میں معاشرے کے معرکے ہیں۔اور ان میں جو بھی تصویر سامنے آئی وہ متحرک اور جاندار ہوتی ہے۔اس تصویر کو پیش کرنے کے پیچھے عصمت کا فلسفہ حیات کارفرما رہتا ہے وہ اپنے موضوع کو جاندار بنانے کے لئے منظر کشی کرتی ہیں۔ وہ موضوعات اور وہ مسائل جن کو پیش کرنے والا نوجوان مسائل کی پیچیدگی میں رہ کر الجھ کر رہ جاتا ہے۔ عصمت نے ان مسائل میں بھی اپنی تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فضا آفرینی کی ہے اور یہ سچ ہے کہ اگر وہ منظر کشی کا سہارا نہ لیں۔تو خاص کیفیت مخصوص واقعے اور مسئلے کی گہرائی سے پیش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے عصمت ایسے افسانوں میں مناظر کے ذریعہ پلاٹ کے بڑھے حصے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔

مناظر کی عکاسی میں ان کا اپنا مخصوص اسٹائل میں جلوہ ریز رہتا ہے۔ وہ کسی واقع کے پس منظر کے لئے جیسی فضا آفرینی کرتی ہیں وہ فضا اور ماحول عصمت کے مخصوص ڈھنگ میں نکھر کر ایک نیا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ان کے بعض افسانوں میں مناظر کا نقشہ بہت خوبصورتی سے کھینچا گیا ہے۔

> ''جب میں جاڑوں میں لحاف اوڑھتی ہوں تو پاس کی دیوار پر اس کی پرچھائیں ہاتھی کی طرح جھومتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور ایک دم سے میرا دماغ بیتی ہوئی دنیا کے پردوں میں دوڑنے بھاگنے لگتا ہے۔ نہ جانے کیا کچھ یاد آنے لگتا ہے۔'' [1]

---

[1] لحاف،عصمت چغتائی ، ص۱۵۔

لحاف عصمت چغتائی کا بہت ہی مقبول افسانہ ہے۔ اس افسانہ پر مقدمہ بھی چلا۔ یہ افسانہ عورتوں کے جنسی مسائل پر لکھا گیا ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں بتایا ہے۔ جن کے شوہر ناکارہ ہوتے ہیں وہ ایسے ماحول میں پلتی ہیں۔ جہاں آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے عورتیں غلط راستے پر چلنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ انھوں نے بڑے نازک مسئلے کو افسانے کا موضوع بنایا۔ اس کے افسانے کے متعلق ش اختر لکھتے ہیں۔

> ''عصمت نے اس حقیقت کو کبھی نہیں بھلایا کہ جنسی زندگی کا ایک سنگ بنیاد ہے اور تخلیق سے اس کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ عصمت نے پہلی بار میلان ہم جنسی پر لحاف لکھا۔ لحاف میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے اگر ایک نوجوان اور شریف عورت ایک ہجڑے خاوند کے پلے باندھ دی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتی ہے''۔[1]

کردار نگاری کے اعتبار سے یہ افسانہ بہت اچھا ہے۔ کردار نگاری کا کمال یہ ہے کہ جس ماحول میں رہتے ہو اسی ماحول پر پیش کیا ہو۔

مکالمہ نویسی :

مختصر افسانوں میں مکالمہ نویسی ایک مشکل فن گردانا جاتا ہے۔ مگر عصمت نے اس فن سے بھر پور فائدہ اٹھایا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ عصمت کے اسٹائل اور ان کے اسلوب کو ان کی مکالمہ نویسی سے بڑی حد تک تقویت نصیب ہوئی ہے۔ وہ مکالموں میں نسبتاً بے باکی کا مظاہرہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ بقول وارث علوی :

> ''عصمت کے ان Minor چیزوں میں اف یہ بچے سفر میں شوہر کی خاطر اور ننھی سی جان شامل ہیں۔ ننھی سی جان تکنیک کی شندہ بازی اور نہایت ہی

---

[1] اردو افسانوں میں لس بین ازم، ش اختر، ص ۷۸۔

چالاک نفیس اور پرفریب مکالمہ نویسی کا بے مثال نمونہ ہے''۔[۱]

عصمت کے تمام افسانوں کے مکالمے ان کی فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہیں انھوں نے مکالمے مختصر اور جامع پیش کئے ہیں۔ ان کے افسانوں کے موضوعات پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ متوسط طبقے کی معاشرت کو اپنے مسائل کو پیش کیا۔ انھوں نے زبان کا استعمال کرتے ہوئے اور مکالمے پیش کرتے وقت محض بیگمات کی زبان کو استعمال نہیں کیا۔ اور عورت کے محض محاورے اور ضرب الامثال ولب ولہجہ کو ہی مکالموں میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ عوام وخواص کی زبان اور مختلف کرداروں کی گفتگو کو ان کے محض رنگ میں پیش کیا ہے۔

''چل صفیہ کی بچی، بیٹھی قینچی کا ناس کر رہی ہے جلدی اٹھ آئی اور بچوں نے اس کے خوف سے آنکھیں پھیلائیں۔

بچو کام کر رہی ہے۔

مزید ملاحظہ ہو۔

کیا یہ سوئٹر آپ نے بنا ہے۔

نہیں تو۔

تو بھائی ہم نہیں پہنیں گے۔

سوئٹر تو آپ ہی پہن لیجئے دیکھئے نا آپ کا کرتا کتنا باریک ہے۔

جنگلی بلی کی طرح اس کا منھ ناک گریبان اور بال نوچ ڈالے اور پلنگری پر جا گری۔''[۲]

اور اس طرح کے مکالمے عصمت کے افسانے میں بکھرے پڑے ہیں۔ چابکدستی کا مظاہرہ کرنے والی

۱۔ ذہن جدید، دسمبر فروری ۱۹۹۲ء ، ص ۴۷۔

۲۔ افسانے، جال، عصمت چغتائی، ص ۲۵۔

اس افسانہ نگار نے سماجی پیچیدگیوں سے بے باکانہ جرأت کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے۔ عورتوں کی نفسیات اور مخصوص مسائل عصمت کے ہیں۔ قلم سے ہماری سماجی زندگی کے آئینہ دار بنتے ہیں۔ عصمت نے عورتوں کی نفسیات پر بہترین افسانے لکھے ہیں۔ چوتھی کا جوڑا، چھوئی موئی، ساس، لحاف، سونے کا انڈا، گیندا، نیرا، ڈائن، خدمت گار، وغیرہ افسانوں میں بڑی کامیاب مصوّری کی۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں جذبات نگاری کی بھی خوبصورت مثالیں پیش کی ہیں۔ انھوں نے ان جذباتی کیفیات کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ جو عام طور پر افسانہ نگاروں کی نظروں سے پوشیدہ رہتی تھیں۔ بھول بھلیاں، چھوئی موئی، جڑیں، تھوڑی سی پاگل، جھوٹی تھالی، وغیرہ ہیں۔

یہ سب سے بڑی خوبی مانی جاتی ہے کہ عصمت نے ہر طبقے اور قوم کے افراد کی نفسیات کو بخوبی پیش کیا ہے۔ مثلاً نوعمر لڑکیاں، کم سن، دوشیزائیں، معصوم لڑکیاں، اور سسکتی ہوئی دم توڑتی نوجوان عورتیں۔ ان کے افسانوں میں طبقات کے درمیان ارتقاء پذیر ہونے والی حد بندیاں بھی ہیں۔ عورت کی نفسیات کے سلسلے میں انھوں نے ممتا کے جذبات کو بھرپور طور پر پیش کرنے سے گریز کیا ہے۔ وہ مشرقیت کی حامل ہیں۔ مشرقی تہذیب وتمدن کو پسند کرتی ہیں۔ اسے پیش بھی کرتی ہیں۔ مگر کہیں کہیں وہ مشرقی حدوں سے تجاوز کرتی ہیں اس قسم کے جذباتی اور نفسیاتی عکاسی ان کے ترقی پسند خیالات کا نتیجہ گردانی جاسکتی ہیں۔ اور عورتوں اور بچیوں کی نفسیات پر تو ملکہ ضرور حاصل ہے۔ مگر ان پر ایک اعتراض یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے مردوں کی نفسیاتی کو زیادہ مضبوط نہیں رکھا ہے وہ مردوں کے جذباتی مسلمانوں کے سلسلے میں پختہ انداز کی حامل نظر آئیں۔ یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں مردوں کی نفسیات پیش کرتے ہوئے ان کا اپنا ماحول اور ان کا مشاہدہ ان کے لئے معاون ثابت ہوجاتا ہے۔

عصمت کے افسانوں کی سب سے بڑی خوبی ان کے مختصر مگر جامع افسانے ہیں۔ انھوں نے لمبے چوڑے موضوعات کو اختیار کے زیور سے آراستہ رکھا ہے۔ وہ کہیں پر بھی طویل منظر نگاری لمبے

چوڑے واعظانہ جملے یا اخلاقی تقاریر نہیں کرتی ہیں۔ ان کے یہاں اس کی جگہ ایجاز و اختصار کا فن اس وقت بھی ابھرتا ہے جس میں وہ بہت سے مناظر پیش کرنے کے لئے نئے اقتباسات کا سہارا لیتی ہیں ان کے ایجاز و اختصار کو جس شئے نے سب سے زیادہ تقویت عطا کی۔ وہ ان رمز و کنایہ سے بھرپور انداز نگارش تھا۔ اشارے اور کنائے نے بہت سی تفصیلات بیان کرنے کا تقاضہ رکھتی ہیں۔ اختصار کے ساتھ پیش کر دیتی ہیں۔

''ان کی رنگت بدلی، بچارا بچہ مرگیا، اس کا باپ شاید تلخی سے کہا گیا خاک تمہارے منہ میں خدا نہ کرے میں نے ننھے کو کلیجے میں لگالیا۔ ٹھائیں، ننھے نے موقع پاکر بندوق چلائی۔ ہائیں، پاجی، ابا کو مارتا ہے میں بندوق چھین لی'' [1]

عصمت کی سماجی بصیرت انھیں جرأت کا بے بہا نہ خزانہ عطا کرتی ہیں۔ ان کی حقیقت پسندی کو سب سے زیادہ تقویت ان کے شوخ مگر تیکھے اور طنز آمیز اسلوب نے عطا کی ہے وہ اسلوب جو طنز کے تیکھوں سے آراستہ ہے جو ظرافت کے پردے میں چٹکیاں لیتا محسوس ہوتا ہے جو اشاریت و اپنائیت کے ساتھ ساتھ زہر خند تلخی سے مل کر تشکیل پاتا ہے، عصمت کا اسلوب اور ان کا طرز تحریر ان کی اپنی شناخت ہے اپنے ماحول کی بے باکانہ عکاسی کے ساتھ انھوں نے جس انداز بیان کو اپنایا۔ وہ عصمت کو ایک خاص مقام عطا کرتا ہے اور عصمت کی افسانوی کاوشوں کی کامیابی کا راز ان کے انداز بیان میں مضمر ہے۔ وارث علوی منٹو کے حوالے سے عصمت کے اسلوب پر اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عصمت کے یہاں آپ کو دوسری جسمانی جنسیں بھی محول نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر سونگھنے اور سننے کی جسی قوت کا تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں عصمت کے ادب کا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ [2]

---

[1] افسانہ، بھول بھلیاں، ص ۳۴-۳۳۔

[2] زہن جدید، دسمبر-فروری ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۲۔

عصمت نے اپنے طرز تحریر کے ذریعہ طنز و مزاج کی آمیزش سے ندرت پیدا کر دی ان کا بیان دلکش اور دلنشین ہے۔ اس طرح عصمت کے اسلوب کا تجزیہ ثابت کرتا ہے۔ عصمت نے نہ صرف کسی مخصوص خطے یا کسی خاص علاقے کی زبان کا استعمال کیا ہے۔ بلکہ ان کے یہاں علی گڑھ اور اس کے آس پاس پھر دلیؔ اور بمبئی کے لب و لہجہ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ انھوں نے ہر طبقے کے افراد کی زبان کو بیان کیا ہے۔ عصمت کا اسٹائیل جاندار اور زندگی سے بھرپور ہے۔ اس میں جو جرأت اور بے باکی ملتی ہے۔ وہ زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ طنز کے نشتر بیداری کے لئے اکثر و بیشتر اس اسلوب سے ابھرتے ہیں۔

عصمت علامتوں اور تشبیہات و استعارات سے کام لیتی ہیں۔ اشارے اور کنائے ان کے افسانوں کو تقویت عطا کر دیتے ہیں۔ عام طور پر لکھنے والوں نے عصمت زبان کو چٹخارے دار زبان کہا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور کا خیال ہے کہ:

> ''انھوں نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں بوڑھی عورتوں زن مزید، شوہروں، جنسی بیویوں کی بڑی کامیاب مصوّری کی ہے۔ ان کے یہاں ڈراما کیفیت قصہ پن کردار نگاری مکالموں کی نفاست اور خوبصورتی نمایاں ہے۔ مگر انھوں نے جو گھریلو یا محاورہ جاندار اور رچی ہوئی زبان استعمال کی اس کی جدید افسانوی ادب میں کوئی نظیر نہیں''۔[1]

عصمت نے پھبتیوں اور فرقے بازیوں سے بھی کام لیا ہے۔ انھوں نے ہر جملے اور ہر لفظ سے بے ساختگی اور تیکھے پن کو فروغ دیا ہے۔ ان کے افسانوں کا اسٹائل برجستہ اور بے دھڑک ہے۔ جہاں افسانوی ادب کی خوابنا کی نہیں ملتی بلکہ حقائق ہی کی طرح بے دھڑک قدرت کا اظہار ہے۔ جو حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بڑی حد تک اکھڑ پن کی سرحدوں کو چھو لیتی ہیں۔

---

[1] تنقیدی اشارے، پروفیسر آلِ احمد سرور، ادارہ فروغ، لکھنؤ ۱۹۶۴ء۔

ان کے افسانے سے توانائی ان کے اسلوب سے آتی ہے۔ وہ مختصر الفاظ میں فضا کا رنگ بکھیر دیتی ہیں۔ انھوں نے افسانہ کو نیا موضوع، نیا اسلوب، نئی زبان اور بے باکانہ طرز بیان عطا کیا۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں کہیں بھی معاصر خواتین افسانہ نگاروں کی تقلید میں صرف نسوانی لب و لہجہ کو نہیں اپنایا ہے انھوں نے ایک ایسی زبان کا استعمال کیا ہے جو ان کے موضوعات سے مناسبت رکھتی ہیں۔

عصمت چغتائی نے اپنے افسانے کی زبان یو۔پی۔ کے گھرانوں سے لی ہے۔ مسلمان خواتین کی گفتگو ان کا لب ولہجہ ان کی گالیاں اور دعائیں اور کوسنے کو ان ہی کے الفاظ میں بیان کیا ہے ۔اس سلسلے میں ناقدین کی رائے ہے کہ ان کی تحریروں پر ان کا ماحول بھی اثر انداز ہوا جس میں وہ پلی بڑھی تھی۔ ان کی تحریر اور بات چیت سے صد فاضل بڑھتی تھی۔ جس شئے نے عصمت کو انفرادیت کا رنگ عطا کیا ہے وہ ان کا حقیقت پسندانہ ذہن ہے۔ جس ذہن کو ترقی پسندی نے مزید جلا عطا کی تھی۔ وہ حقیقت کا ایسا بے باک انداز پیش کرتی ہے۔ جو انھیں بڑے افسانہ نگار کے صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ عصمت چغتائی کے افسانوں کا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے ان کے یہاں موضوعات کا نادر خزانہ اور اسلوب کا منفرد رنگ موجود ہے۔ جو ان کو عہد ساز افسانہ نگاروں کی فہرست میں شامل کرتا ہے۔

✦✦✦

باب سوم

عصمت چغتائی بحیثیت ناول نگار

(کردار نگاری، فضا آفرینی، واقعہ نگاری

پلاٹ وغیرہ)

عصمت چغتائی بحیثیت ناول نگار

عصمت چغتائی ترقی پسند مصنفین میں انفرادی حیثیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے مسلم متوسط گھرانوں کی پردہ نشین لڑکیوں کی نفسیاتی الجھنوں اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ وہ مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو بے نقاب کرنا چاہتی تھیں۔ عصمت چغتائی نے اپنے ناولوں کے کرداروں کو حقیقی روپ میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ فکر کے نئے دھاروں کے ساتھ بڑی چابکدستی سے معاشرہ کے رجحانات کو پیش کرتی ہیں۔ جس سے کے متوسط طبقے کے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی ذہنی الجھنیں کھل کر ہمارے سامنے آجائیں۔ انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس لئے ان کے انداز بیان میں جگ بیتی کے بجائے آپ بیتی نے جگہ لے لی ہے۔

عصمت چغتائی کے مندرجہ ذیل ناول یہ ہیں۔

۱۔ ضدی	۲۔ ٹیڑھی لکیر	۳۔ معصومہ
۴۔ سودائی	۵۔ ایک قطرۂ خون	۶۔ جنگلی کبوتر
۷۔ دل کی دنیا	۸۔ عجیب آدمی	۹۔ باندی
۱۰۔ تین اناڑی	۱۱۔ نقلی راجکماری	

عصمت چغتائی نے ناول نگاری کے فن کو فن کارانہ اظہار کی جرأت عطا کی ہے اور حقائق حیات ان کے ناول کا موضوع ہیں۔ زندگی کی ان ٹھوس حقیقتوں کے اظہار میں وہ رسمی تکلفات کی رکاوٹوں کو قبول نہیں کرتیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ ان پر اظہار کی برہنگی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ ان

کے یہاں بے باکی اور بے تکلفی ہے۔لیکن یہ ایسی نہیں کہ اسے برہنگی یا فحاش تصور کیا جائے۔فن سے فن کار کی شخصیت کا گہرا رابطہ اور رشتہ ہوتا ہے۔فن میں شخصیت کا واضح پن تو نظر آتا ہے اور شخصیت کی تشکیل جس ماحول اور جن عناصر کی مدد سے ہوتی ہے ان کا بھی اثر فن میں موجود ہوتا ہے۔

اظہار کی بیباکی ان کی فکری آزادی کا نتیجہ ہے شروع سے عصمت کا تربیتی اور تعلیمی ماحول ایسا رہا جس کے وجہ سے ان کے انداز فکر اور طرز اظہار میں غیر مصلحت پسندانہ بے تکلفی آ گئی۔تحریر کی اس مودب بے حجاب کو عریانی یا برہنگی کہنا نہ انصافی ہے۔عصمت کی تحریر کی بھرپور نسوانیت اس بات کی شاہد ہے کہ وہ جنسی مسائل کو بھی چھیڑتی ہیں تو احتیاط پیش نظر رہتی ہے، یہ احتیاط ضبط اور ایثار ان کی شخصیت میں بھی موجود ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عصمت نے پہلی بار ناول نگاری کے لئے ایسا راستہ منتخب کیا کہ وہ جانا پہنچانا نہ تھا۔ عورت ہونے کے باوجود انھوں نے جنسی مسائل پر لکھا۔انسانی زندگی کے وابستہ حقیقتوں کو بے باکی کے ساتھ پیش کیا۔واقعیت اور صداقت پر مصلحت کا غلاف چڑھایا۔ ایک ایسا طرز اختیار کیا جو متوجہ کرنے والا تو ہے مگر جس کے اندر تلذذ کی جگہ جنسی پیچیدگی و الجھنوں کے سلسلہ میں تنفر پیدا ہوتا ہے۔ انھیں خوبیوں کی وجہ سے ناول نگاری میں ان کا ایک ممتاز اور منفرد مقام تسلیم کیا گیا ہے۔بقول آل احمد سرور :

> ''عصمت نے ہندوستان کے متوسط طبقے اور مسلمانوں کے شریف خاندانوں کی بھول بھلیاں کو جس جرأت اور بے باکی سے بے نقاب کیا ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں وہ ایک باغی کا ذہن ایک شوخ عورت کی طاقت لسانی ایک فن کار کی بے لاگ اور بے رحم نظر رکھتی ہیں۔وہ عورت ہیں مگر اس سے زیادہ ایک فن کار ہیں'' ۔[1]

---

[1] تنقیدی اشارے ، آل احمد سرور، ص ۴۲۔

عصمت چغتائی نے اپنے طور پر ان لڑکیوں کی گھٹن، نفسیاتی دباؤ، جنسی ضرورتوں، آلودگیوں، ذہنی الجھنوں اور جسمانی مطالبات کا نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ انھیں محسوس بھی کیا۔ اور ان سے بغاوت کر کے انھوں نے ان مشاہدات و محسوسات کو دیانتداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے فن میں پیش کر دیا۔ یہ معاشرتی روایات کی خلاف ورزی تھی۔ جس کی وجہ سے ان پر عریاں اور فحش نگار ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ عصمت نے اس ماحول میں تعلیم پائی ان کے ذہن کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوئی جو رجعت پسند نہ تھا مگر ترقی پسند اور روشن خیال تھا۔ یہاں فکر و احساس کی آزادی تھی۔ معاشرے کی فرسودہ روایتوں کی زنجیر جہاں بکھری پڑی تھی انھیں خوبیوں کی وجہ سے لڑکیوں کو قید و بند کی صحبتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ عصمت نے خود تحریر کیا ہے کہ ان کی تربیت اور پرورش بھائیوں میں ہوئی اور بھائیوں جیسی ہوئی چنانچہ فطری طور پر عام لڑکیوں کے مقابلہ میں ان کا انداز فکر اور طرز احساس جداگانہ ثابت ہوا۔ ان کے انداز فکر کی تازگی اور طرز احساس کی یہی ندرت اور انفرادیت ہے۔ جس نے بہت جلد دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

کردار نگاری:

عصمت چغتائی نے اپنے ناولوں میں بالخصوص نسوانی کرداروں کو زیادہ ابھارنے اور روشن کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں چونکہ وہ خود بھی عورت ہیں۔ اس لئے عورت کے نفسیات کی بڑی مکمل اور موثر ترجمانی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے کرداروں کے خارجی پیکر کی تشکیل کے ساتھ ان کی اندرونی شخصیتوں کی تعمیر کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے۔ ضدی کی آشا، ٹیڑھی لکیر کی شمن اور معصومہ کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ضدی ایک ناول ہے۔ جس کی ٹیڑھی لکیر اور معصومہ سے پہلے تخلیق ہوئی ہے۔ چنانچہ لازمی طور پر اس میں بعض کمزوریاں موجود ہیں۔ یہ کمزوریاں معصومہ میں بھی ہیں۔ ضدی میں رومانیت غالب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں حقیقت نگاری کا معیار مجروح نظر آتا ہے۔ بالخصوص

اس کا انجام ایسا ہے کہ جس نے ناولٹ کے قصے کو مثالی اور ماورائی بنا کر رکھ دیا ہے۔

جس دور میں یہ ناول لکھا گیا اس دور میں اردو ادب میں حقیقت نگاری زوروں پر تھی۔ واقعات کے تانے بانے خواہ رومانی کیوں نہ ہوں لیکن پیشکش میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ادب میں دو طبقوں کی کشمکش کو پیش کیا جائے، ناول پڑھتے ہوئے شروع میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصمت بھی اس طبقاتی کشمکش کو پیش کرنے والی ہیں۔ چند صفحات کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے یہ ایک ہلکا پھلکا رومانی ناول ہے۔ جس میں دو طبقے کو محبت کی دنیا میں یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب یہ دونوں خاندانی روایت کے سبب یکجا نہیں ہو پاتے تو بالاخر محبت پر قربان ہو جاتے ہیں۔ محبت کا یہ ایک افلاطونی قصور ہے۔ عصمت نے اس ناول کو موضوع بتایا ہے یہ اور بات ہے کہ اس موضوع کو پیش کرتے ہوئے جا بجا معاشرے اور خاندان کی فرسودہ روایات، طنزیہ جملے اور طبقاتی تقسیم کا احساس ملتا ہے جس میں محبت کی ناکامی کے سبب دراصل یہی عناصر ہیں۔ ضدی موضوع اور فن دونوں اعتبار سے اہم کارنامہ نہیں ہیں موضوع کے اعتبار سے یہ کمرشیل ٹائپ کا ناول ہے جو چیز اسے دلچسپ بناتی ہے وہ کسی حد تک پورن کا کردار اور پھر عصمت کا مخصوص انداز بیان ہے۔

اس کا ہیرو پورن ایک جذباتی نوجوان ہے۔ جو متوسط طبقے کے مصنوعی اخلاق کا شکار ہے۔ ماحول نے اس کو بالکل ضدی بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ ایسی لڑکی سے عشق کرتا ہے جو پورن کے خاندانی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ آشا نچلے طبقے سے وابستہ ہے لیکن کردار کے اعتبار سے صاف ستھری اور معیاری ہے پورن اور آشا دونوں ایک دوسرے سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں۔ عشق کرتے ہیں۔ لیکن سماجی آداب نے ان دونوں کو الگ کر دیا۔ پورن اس غم کی تاب نہ لا کر اندر اندر گھلتا جاتا ہے۔ اور دق کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی شادی بھی کر دی گئی لیکن کوئی اثر نہ ہو سکا۔ آخر وقت میں والدین کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ اور آشا کو منت سماجت کر کے پورن کی تیمارداری کے لئے لاتے ہیں۔ پورن

زندگی کے آخری اوقات میں ہے لیکن آشا کو دیکھ کر اور پا کر اس کی خواہش حیات تیز ہو جاتی ہے اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو پاتی کہ دم توڑ دیتا ہے۔ آشا نے اپنے عاشق کی لاش کے ساتھ اپنے آپ کو بھی نذر آتش کر دیا۔ علی عباس حسینی کا خیال ہے۔

> ''ممکن ہے غیر معمولی مزاجوں کے لوگ اسے حقیقت نگاری کہیں تو ہمیں اس میں ایک خالص مصنوعی کردار کی جھلک دکھاتی دیتی ہے پروانہ وشمع کی روداد عشق روزانہ کا مشاہدہ ہے۔ لیکن پورن کی محبوبہ کا اپنے آپ کو کوستی رہنا نہ تو روداد زندگی ہے اور نہ اس سے دل پر کوئی خاص اثر پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ ایک طرح کا اطمینان محسوس ہوتا ہے۔'' [1]

اس ناول کے سارے کردار سپاٹ ہیں۔ لیکن پورن کے کردار میں اس بات کا امکان تھا کہ اس صورت حال سے جس میں وہ مبتلا ہوتا ہے عصمت فائدہ اٹھائیں گیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ پورن کی زندگی اور اس کے رویے میں اچانک جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے لئے آشا کی محبت کا آئیڈیل جواز تو رکھتی ہے لیکن پورن جس طرح اپنی بیوی کو کھلی چوٹ دیتا ہے وہ غیر اطمینان بخش ہے۔ غالباً عصمت اس کے ذریعہ اعلیٰ طبقے سے انتقام لینا چاہتی ہیں۔ اور پھر اس انتقام کو بھیانک بنانے کے لئے پورن کو بھی شریک کر لیتی ہیں کہ سب کچھ پورن کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے لیکن وہ خاموشی سے رہتا ہے اس طرح یہ کہانی ایک جذباتی اور غیر منطقی انجام تک پہنچتی ہے جس میں عصمت نے بہت جگہ محض میلو ڈرامائی اتفاقات کا سہارا لیا ہے۔ مثلاً شادی کے منڈپ میں آگ لگ جانا۔ پورن کی بہن کے گھر آشا کی موجودگی، وغیرہ جبکہ پورن کی شادی اسی گھر میں ہو رہی ہے۔ یہ دور از عقل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واقعات کے فطری ارتقاء کے بجائے فن کار نے ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت ان واقعات کو بنایا ہے تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کہانی کو آگے بڑھا سکے یہ واقعات فلمی سین کی طرح غیر منطقی

---

[1] ناول کی تاریخ وتنقید، علی عباس حسینی، ص ۴۳۵۔

انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

عصمت کے اس ناول کو عام طور سے لوگوں نے ماخذ قرار دیا ہے اس سلسلے میں مختلف رایوں نے کچھ اس طرح سے اظہار خیال کیا ہے۔ جس طرح پروفیسر عبدالسلام کو پورن کے کردار میں دورنگ ھائیٹس کا ہیتھ کلف نظر آتا ہے۔ تو شانتا کے کردار میں لارینس کی ''لیڈی چرے'' کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن پورن کے انتقامی رویے کے علاوہ ناول میں کوئی شے انوکھی نہیں ہے۔ ان کے کردار جس مخصوص حالات میں خصوصیات کے ساتھ ابھر کر سامنے آتے ہیں وہ انوکھی حد تک روایتی ہیں۔ جو دوسرے ناولوں کے متعلق اس قسم کے واقعات کے مشاہدہ کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ ناول دیوداس سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ دیوداس ایک رومانی ٹریجڈی ہے جس کا ہیرو محبت میں ناکام ہو کر خود انتقام لیتا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ناول موضوع اور فن دونوں لحاظ سے کمزور ناول ہے۔ ہاں زبان کے اعتبار سے عصمت کے مخصوص رویے کی نشاندہی کرتا ہے۔ عصمت متوسط طبقے کی عورتوں کی زبان کو کامیابی کے ساتھ استعمال کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں ورنہ نہ تو ناول میں پیش کی گئی کہانی میں کوئی کشش ہے اور نہ ہی کردار نگاری میں گہرائی پائی جاتی ہے جو عصمت کے بعد کے ناولوں میں خصوصیت بن کر سامنے آتی ہے۔

بہرحال اس ناول کا مجموعی اثر اصلاحی ہے۔ متوسط طبقے کی روایت پرستی، قدامت پسندی جھوٹی عزت اور مصنوعی بھرم کے پیچھے افراد اور خاندان کی تباہی و بربادی کا اثر انگیز نقشہ پیش کیا گیا ہے البتہ اس کی کردار نگاری میں وہ تنوع نہیں ہے۔ جو ٹیڑھی لکیر میں ہے۔ اسی طرح معصومہ میں بھی معصومہ کی نیلوفر معصومہ سے ناول نگارہ کا کوئی قریبی تعلق نظر نہیں آتا۔

اس کے تمام دوسرے کردار بھی اسی اجنبیت کا شکار ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ معصومہ کے

کرداروں کی جذباتی تخیلی اور ذہنی کیفیتوں کو ناول نگار نے بہت احتیاط سے واضح کیا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے دو کھڑے افراد کی خصوصیات بیان کی جائیں۔ یہاں معصومہ کی اس خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں عصمت نے عورت کے مزاج اور فطرت کی ہر جگہ حفاظت کی ہے۔ وہ آزمائشات کی گھر میں الجھتی ہے۔ پریشانیوں سے گزرتی ہے۔ پھر بھی زندہ رہنے کی کوشش کرتی ہے۔

معصومہ عصمت چغتائی کا ایک اچھا ناول ہے جو ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آیا۔ جس میں مسلمانوں کے متوسط طبقے کے لوگوں کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عصمت چغتائی اردو کی پہلی خاتون ناول نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ غم زدہ لڑکیوں پر نگاہ ڈالی۔ اس ناول کا کینوس بہت بڑا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے تقسیم ہند کے بعد حیدرآباد کے ایک مسلم گھرانے سے لے کر بمبئی کے سیٹھوں، فلمی پروڈیوسروں اور عورتوں کے سفید پوش دلالوں کی زندگی کا نقشہ بڑے دل آویز انداز میں پیش کیا ہے۔

اس ماحول کو پیش کرنے کے لئے عصمت چغتائی نے معصومہ کے کردار کا سہارا لیا ہے۔ ناول کے عنوان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصمت یہاں بھی اپنے پچھلے ناول ٹیڑھی لکیر کی طرح معصومہ کے کردار کو اپنا موضوع بنائیں گیں۔ ابتداء میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معصومہ کی کہانی بیان کی جارہی ہو۔ لیکن ناول کے تقریباً ابتدائی پچاس صفحات میں معصومہ کی اصل کہانی مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کے واقعات جو دو سو صفحات پر مشتمل ہیں ان کو پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عصمت کا مطمع نظر معصومہ کی کہانی بیان کرنا نہیں، بلکہ بمبئی کے ماحول کو پیش کرنا ہے۔ خود ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

> ''یہاں (بمبئی) آنے کے بعد کمنسٹ پارٹی سے میرا واسطہ پڑا اور مجھے سیاست اور اکونومکس کا بھی تجربہ ہوا۔ پتہ چلا کہ سیکس اور اس کی گھٹن ہی اتنا اہم موضوع نہیں ہے بلکہ بہت سے اور موضوع ہیں اور پھر میں نے ان

موضوعات کو چھونے کی کوشش کی۔ بمبئی کے ماحول کو پیش کیا''۔[۱]

معصومہ کی کہانی کچھ اس طرح ہے کہ معصومہ کے والد فوج میں ملازم تھے۔ بڑے دور اندیش تھے۔ ملک کی تقسیم کے وقت حالات کا رخ دیکھتے ہوئے جمع شدہ پونجی اور تین بڑے بیٹوں کے ساتھ پاکستان سدھارے کہ وہاں پیر جم جایں گے تو باقی بچوں اور بیگم کو بھی بلالیں گے۔ مگر وہاں جا کر انھوں نے کسی کی خبر نہ لی۔ بیگم صاحبہ کچھ عرصہ تک جو کچھ اثاثہ تھا اس سے گزارا کرتی رہیں جب معاشی حالت خراب ہونے لگی تو بچوں کے ساتھ حیدرآباد سے بمبئی آ گئیں۔ پہلے ایک شناسا احسان صاحب کے یہاں چند دنوں تک رہیں۔ جب ان کی بیوی نے ناک بھوئیں چڑھائی تو احسان صاحب نے ایک کمرے کا الگ انتظام کر دیا۔ کرایہ بھی خود ہی دے دیا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً امداد بھی کرتے تھے۔ احسان صاحب کی زندگی بہت تنگی ترشی سے بسر ہو رہی تھی۔ کہ بیگم کو کچھ بچے ہوئے برتن بیچنے کے لئے حیدرآباد جانا پڑا۔ واپسی پر گھر کا ماحول کچھ بدلا ہوا دکھائی دیا۔ بڑی بیٹی معصومہ نئے پھولدار ہاؤس کوٹ میں ملبوس دکھائی دی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ سب احمد بھائی کی مہربانیاں ہیں احمد بھائی لکھ پتی جنرل مرچنٹ تھے اور باندرہ میں رہتے تھے۔ بیگم سمجھیں احمد بھائی معصومہ سے بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب احسان صاحب سے احمد بھائی کا منشا معلوم ہوا کہ وہ شادی بیاہ جیسی بے وقوفیاں نہیں کرتے تو بیگم جان غصہ ہو گئیں۔ لیکن بڑھے ہوئے خرچ اور نوابی مزاج کے تقاضے نے بیگم کی ممتا اور خاندانی وقار کو رفتہ رفتہ سلا دیا۔ پھر ایک دن معصومہ بانوں کے دام لگ گئے۔ اور وہ نیلوفر بن گئیں۔

نیلوفر کے واسطے سے احمد بھائی اور ان کی فلم لائن سوچ مل اور اس کا مکروہ فریب راجہ صاحب اور ان کے بزنس اور کارخانے کی تمام حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ بالآخر معصومہ ایک باقاعدہ طوائف بن جاتی ہے پھر کبھی کبھی وہ اپنی اس دنیا کو یاد کرتی ہے جو اس کے دل میں ارمان بن کر رہ گئی اور حالات نے اس اندھیرے میں لا پھینکا۔ یہی بمبئی کا ماحول معصومہ کا موضوع ہے یہ الگ بات ہے کہ اگر

---

[۱] عصمت چغتائی سے ایک ملاقات، رسالہ شاعر، شمارہ ۳ جلد ۴۷، بمبئی، ۱۹۷۶ء۔

بمبئی کے ماحول کو پس منظر میں رکھ کر معصومہ کے کردار پر زیادہ توجہ دی جاتی تو یہ ناول بھی ٹیڑھی لکیر اور امراؤ جان ادا کی طرح کے کردار کا ایک اہم ناول بن جاتا۔ معصومہ کی کہانی میں وہ تمام خصوصیات زیر لہو کی طرح موجود نہیں جو اسے ایک المیہ کردار بنا کر ابھارتی۔ معصومہ نیلوفر بننے کے بعد کبھی کبھی اپنی معصوم دنیا کے خوابوں میں کھو جاتی ہے۔ صرف اس وقت ہمیں معصومہ سے ہمدردی ہوتی ہے لیکن یہ لمحہ پلک جھپکتے آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ بہت جلد معصومہ پر نیلوفر غالب آجاتی ہے۔ جو ایک ٹیپیکل طوائف ہے اور بہر حال اس تاریک ماحول کا حصہ ہے۔ پروفیسر عبدالسلام اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''معصومہ کو پڑھ کر نہ ہمدردی ہوتی ہے اور نہ نفرت۔ اس کی کہانی تقسیم سے متاثر ہونے والے عام افراد کی کہانی بن جاتی ہے اگر عصمت کے دل میں المیہ نگار کی سی ہمدردی ہوتی۔ انسانی عظمتوں کا احساس ہوتا۔ انسان کو حالات سے مغلوب نہ سمجھتی تو معصومہ کی صورت اس سے مختلف ہوتی۔ معصومہ تقسیم کا المیہ بن سکتی تھی۔ کانگریس سے متفق ہونے کی بنا پر عصمت بھی برصغیر کی تقسیم کے خلاف احتجاج کر سکتی تھیں''۔[1]

جہاں تک معصومہ کے کردار کے المیہ کا تعلق ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ معصومہ کے کردار میں یہ عناصر پوری طرح موجود تھے کہ وہ المیہ ہیروئن بن کر ابھرتا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ معصومہ تقسیم کا المیہ بن جاتی۔ معصومہ کی تباہی کے اسباب کا صرف بہانہ ہے۔ اس کی تباہی کا سبب سب سے بڑھ کر خود اس کے والدین ہیں ان کا نوابانہ مزاج ہے اس کے بعد وہ حالات ہیں جن سے معصومہ اور اس کی ماں کا سابقہ پڑا۔

اس طرح بیگم مکمل طور سے ایک نائیکہ کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ معصومہ کو عصمت نے جن

---

[1] پروفیسر عبدالسلام، اردو ناول، بیسویں صدی میں، اردو اکیڈمی، سندھ کراچی، ۱۹۷۳، ص ۳۷۸۔

انداز سے پیش کیا ہے وہ بالکل ایک طوائف کی شکل ہے وہ معصومہ جسے بہت سے اشعار یاد تھے اور بیت بازی میں ہمیشہ جس کی پارٹی جیتا کرتی تھی اسے شیلے سے عشق تھا۔ اور کیٹس پر دم جاتا تھا۔ وہی معصومہ جب نیلوفر بنتی ہے تو جیسے یک لخت سب کچھ بھول جاتی ہے یہ حقیقت ہے کہ حالات نے اسے جس گندے کنویں میں گرایا وہاں اس کی شخصیت کا مسخ ہو جانا فطری تھا۔ لیکن معصومہ کے کردار کی عظمت کا تقاضہ یہ کہ نیلوفر کے پردے میں بھی معصومہ سانس لیتی ہوئی اگر نظر آتی تو شاید معصومہ بھی امراؤ جان ادا کی طرح زندہ ہو جاتی۔ لیکن عصمت نے اس کے مزاج کی نفاست اور معصومیت اس طرح کھرچ کر پھینک دی ہے۔ جیسے معصومہ طوائف کے گھر ہی پیدا ہوئی ہو۔ اس کے اعمال سے اس کی پچھلی زندگی کی معصومیت جھلکتی نظر نہیں آتی۔ اور نہ اس کے کسی عمل سے اس زندگی سے آزادی حاصل کرنے کی جدو جہد کا پتہ چلتا ہے۔ صرف اس کی سوچ میں کہیں کہیں اس کی زندگی کی پرچھائیاں ابھرتی و ڈوبتی نظر آتی ہیں۔

> ''معصومہ سر پر آنچل کے بکل مارے ہل ہل کر انتیسواں پارہ پڑ رہی ہے اگلے جمعہ قرآن شریف ختم ہو جائے گا۔ پھر نشرہ ہوگا۔ گلابی پوتھ کا پاجامہ پستئی جالی کا دوپٹہ اس کے پنڈے سے بگولے اٹھنے لگے۔ دادا ابا کی بوئی ہوئی مہندی سے شعلے اٹھ اٹھ کر جفا پر چھا گئے''۔[1]

لیکن یہ المیہ انداز پورے طور سے ابھر کر سامنے نہیں آپاتا کیونکہ عصمت نے نیلوفر کے بیان میں اگرچہ حقیقت نگاری سے کام لیا ہے پھر بھی ان کی یہ حقیقت نگاری اس قدر بے رحم ہوگئی ہے کہ ایک دوسری نرم و نازک حقیقت کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ نیلوفر کے سلسلے میں بعض بیانات میں اس قدر عریانیت آگئی ہے کہ وہ گراں گزرتی ہے اس طرح عریاں بیانات سے اگر یہ ناول پاک ہوتا تو بھی اس کی حقیقت نگاری میں کوئی فرق نہ آتا۔

---

[1] عصمت چغتائی، معصومہ حالی پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۷۔

موضوع کے علاوہ یہ فنی لحاظ سے بھی ایک عمدہ ناول ہے اسلوب بیان اور کردار نگاری میں روایتی انداز سے انحراف ملتا ہے۔ناول کے تمام کردار جیتے جاگتے اور متحرک نظر آتے ہیں۔ان کا تعلق کسی اور دنیا سے نہ ہوکر ہماری آپ کی اسی دنیا سے ہے ان کی بول چال، رنگ ڈھنگ، ان کی حرکات وسکنات مکالمے اور زبان سب کا تعلق ہمارے گردوپیش سے ہے۔

عصمت نے جس انداز سے جنسی مسائل کی عکاسی کی ہے۔یقیناً وہ ہمارے سماج کا ایک اٹوٹ حصہ ہے جس سے انکار محال ہے۔لیکن جس عامیانہ طریقے سے اس کی تشبیہ کی گئی ہے وہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ہے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس طرح کی تحریروں سے جنسی مسائل کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔

عصمت نے معصومہ میں اس کائنات کی تصویر پیش کی ہے جہاں بغیر تخت وتاج کے بھی نواب اپنی نوابی شان میں گم نظر آتے ہیں۔بطور خاص جو بات اس ناول میں جابجا محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ اس پرآشوب دنیا میں عورت آج بھی بے بس اور ستم رسیدہ سماج کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے اور مرد ذات آج بھی عہد قدیم کی طرح عورت کو کوئی ایسا حق دینے پر تیار نہیں ہے جو اسے اوپر اٹھانے میں مددگار ثابت ہوسکے۔

ناولوں کے برعکس ٹیڑھی لکیر کی کردار نگاری بہت حد تک مکمل ہے۔اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ٹیڑھی لکیر کے کردار اور ناول نگار کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں۔کوئی دوری نہیں ہے۔یہ کردار ناول نگار سے بے حد قریب ہیں جانے پہنچانے کردار ہیں۔بعض لوگوں نے یہ تک کہا ہے کہ ٹیڑھی لکیر کے مرکزی کردار شمن میں دراصل عصمت ہی کی شخصیت روپوش ہے۔اس سلسلہ میں بعض مشابہتیں بھی دی جاتی ہیں۔بہر حال یہ ضروری ہے کہ ٹیڑھی لکیر کی شمن خود عصمت نہ بھی ہو تو بھی عصمت اپنے اس کردار سے زیادہ الگ تھلگ نہیں۔یہ ناول امراؤ جان ادا کی طرح کرداری ناول

ہے۔طرز تحریر میں بیشتر آپ بیتی کا انداز ہے۔یہی ناول دراصل عصمت چغتائی کا نمائندہ ناول ہے۔ جس کی کردار نگاری میں عصمت نے اپنے تخلیقی شعور اور فن کارانہ ہوشمندی کی ایک تازہ مثال قائم کی ہے شمن ایک متوسط گھرانے کی لڑکی ہے۔ یہ وہ گھرانا ہے جہاں اولاد پیدا کرنے پر دھیان زیادہ دیا جاتا ہے۔مگر اولاد سے شفقت اور محبت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔شمن اپنے والدین کی دسویں اولاد ہے۔اس دسویں اولاد سے باپ کو کوئی الفت نہیں اور ماں بھی اولاد کی اس صف میں شامل ہے سب سے آخری بیٹی سے بیزاری کی حد تک غیر متعلق ہے۔کثرت اولاد کے علاوہ اس گھر میں کوئی خاص بات نہیں جس کی طرف قاری متوجہ ہو سکے۔ناول نگاری کا کمال یہ ہے کہ شمن کے کردار کو اس نے اتنے موثر انداز میں ابھارا ہے کہ پڑھنے والا بے ساختہ اس پورے ماحول کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔شمن کی پرورش بے توجہی سے ہوئی۔ چنانچہ یہ کردار صحیح خط پر آگے نہیں بڑھ پاتا۔ یہاں جس ٹیڑھے پن کی بنیاد پڑتی ہے وہ آخر تک برقرار رہتا ہے۔ بلکہ یہ ٹیڑھا نقطہ ٹیڑھی لکیر بن جاتا ہے۔اور شمن کی شخصیت اس ٹیڑھی لکیر میں ضم ہو جاتی ہے۔کسی طرح وہ گھر کی تعلیم کے بعد اسکول بھیجی جاتی ہے۔اور پھر وہاں سے کالج کا رخ اختیار کرتی ہے۔ نجمہ سعادت، رسول فاطمہ، چرن، پریما، اور نریندر اس کی زندگی میں آتے ہیں وہ ان سے وابستہ ہوتی ہے۔کسی سے محبت کرتی ہے تو کسی سے نفرت۔ رائے صاحب کی شخصیت نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا۔جس کے اندر باپ کی شفقت حکمراں کا وقار بھی ہے۔اور ایک دیوتا کا جلال بھی۔اس کی عقیدتیں پھیل کر محبت بن جاتی ہیں۔جذباتی توازن بگڑ جاتا ہے تو ان سے اظہار محبت کر بیٹھتی ہے۔لیکن فوراً ہی اپنی اس حرکت کو مجرمانہ خیال کرتی ہے۔اور ندامت سے بھر جاتی ہے رائے صاحب کی اچانک موت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ سب سے نفرت کرنے لگتی ہے اسے ایک اور صدمہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب اعجاز دوبارہ اس کی زندگی میں داخل ہوتا ہے اور شمن کی سہیلی بلقیس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں اعجاز کے خلاف

جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے تھوڑے دن بعد اعجاز سے اپنی شادی کے پیغام کو بے رحمی سے مسترد کر دیتی ہے۔ یہ حالات اس کی رگوں میں بغاوت کی چنگاری بھر دیتے ہیں۔ اس کے مزاج میں ایک خاص قسم کی جارحیت آجاتی ہے کالج سے کچھ دنوں کی علیحدگی کے بعد دوبارہ کالج واپس آتی ہے۔ تو کالج سے نکال دی جاتی ہے اس کی آزادی کو بے راہ روی اور گمراہی قرار دیا جاتا ہے۔ کیلاش کی آزاد فضا میں پہونچتی ہے یہاں افتخار اور شیتل سے اس کا رابطہ ہوتا ہے افتخار کی پرفریب حرکتوں سے واقف ہوتے ہی اس کی شخصیت کی بچی کچھی روشنی بھی مدھم ہو جاتی ہے اور وہ تاریکیوں میں بھٹکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہاں وہ پروفیسر رحمٰن سے قریب مفید ثابت ہوتی ہے وہ اپنی گم شدہ شخصیت تک پہونچنا چاہتی ہے۔ لیکن شخصیت اتنی دور جا چکی ہے کہ اس کے قریب پہونچنا اب مشکل ہو گیا ہے ایک شادی شدہ مدقوق شخص سے رومان لڑاتی ہے۔ جس کی بیوی پہونچتے ہی اس قصے کو ختم کر دیتی ہے آخر کار وہ ایک امریکن فوجی ٹیلر سے شادی کر لیتی ہے یہ شادی بھی اسے راس نہیں آتی۔ شادی کر کے وہ ایک زبردست غلطی کر بیٹھتی ہے وہ ٹیلر کو صدمے پہنچاتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ یہ امریکن فوجی جنگ کے محاذ پر روانہ ہو جاتا ہے تب شمن افسوس ندامت میں مبتلا ہو جاتی ہے اس وقت جذباتی ردعمل کا اثر اور شدت کم ہو جاتی ہے جب شمن اپنے پیٹ میں بچے کے وجود کو محسوس کرتی ہے وہ خوش ہو اٹھتی ہے کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ یہی وہ واقعاتی نشیب و فراز ہیں جن پر شمن کا کردار ہچکولے کھاتا اور بڑھتا نظر آتا ہے۔

عصمت چغتائی نے ایک سچے فن کار کی طرح اپنے ناولوں کا مواد اپنے گرد و پیش سے حاصل کیا، اور دوسرے یہ کہ انھوں نے جو کچھ محسوس کیا اس کو الفاظ میں ڈھال کر پیش کیا۔ یعنی حقیقت کو پردہ کی اوٹ سے نکال کر عریاں شکل میں دکھایا ہے۔ ایک اور وصف جو عصمت چغتائی کے ناولوں میں پایا جاتا ہے وہ نفسیاتی ظرف نگاہی ہے ان کا مشہور ناول ٹیڑھی لکیر خصوصیت سے اس وصف کا آئنہ دار ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں:

''یہ ناول اردو کے اہم ترین ناولوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ٹیڑھی لکیر کا حقیقی پس منظر اور کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ اردو ناول میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ عصمت ہر چند کہ ناول میں تکنیکی جدتوں سے کام نہیں لیتی ہیں لیکن ان کے یہاں زندگی کے منفرد تجربات اور مشاہدات کا اظہار ملتا ہے۔ مواد کی یہ جدت اور ندرت ان کے ناولوں کو تازگی اور نیا پن بخشتی ہیں۔ ٹیڑھی لکیر معصومہ اور عجیب آدمی میں یہی خصوصیت دیکھی جاسکتی ہے۔ عصمت زندگی کے جس گوشے کو اپنے ناولوں میں موضوع بناتی ہیں ان کا گہرہ مطالعہ رکھتی ہیں۔ مطالعہ کی یہی گہرائی اپنے موضوع سے پوری آ گئی ان کے ناولوں کو وقار اور وزن عطا کرتی ہے''۔[1]

عہد رواں کی ناول نگاری اس کی ایک امتیازی خصوصیت کا فن کارانہ خلوص ہے۔ عصمت کا ناول ٹیڑھی لکیر اس وصف کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ ناول اپنے طنزیہ اسلوب نگاری کی وجہ سے بھی امتیازی اہمیت کا حامل ہے جماعت اور فرد کے باہمی تعلق اور اس رشتے کے نفسیاتی عمل اور نتائج کو جس انداز سے عصمت چغتائی نے پیش کیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ٹیڑھی لکیر میں عصمت چغتائی نے صرف مشاہدات ہی کی ترجمانی نہیں کی بلکہ یہ بھی دکھایا ہے کہ ماحول سے کس قدر ایک فرد کی زندگی میں آہستہ آہستہ نفسیاتی انقلاب رونما ہوتے ہیں اور اس کی شخصیت کی تکمیل کسی اور انداز سے ہوتی ہے۔

یوں کہنے کو تو ٹیڑھی لکیر ایک فرد کی تشکیل کی کہانی ہے اس کی تکمیل میں بہت سے کرداروں کے ہاتھ رہے ہیں۔ اس کو اگر علیحدہ علیحدہ دیکھئے تو ہر کردار غیر اہم نظر آتا ہے لیکن مجموعی طور پر غور کیجئے تو کہانی میں اس کا وجود بے مصرف معلوم نہیں ہوتا۔ وقار عظیم رقمطراز ہیں۔

''ناول نگار نے مشاہدے غور و فکر اور فنی ترتیب کے صحیح امتزاج سے ایک فرد

---

[1] ہم عصر ناول، یوسف سرمست، مشمولہ ہم عصر اردو ادب نمبر شاعر، بمبئی، (مدیر، اعجاز صدیقی)، ص ۴۱۰۔

کی زندگی کی ارتقائی منزلوں کو ایک خاص عہد کی زندگی کی بھرپور داستان بنا دیا ہے۔'' [1]

ٹیڑھی لکیر میں عصمت چغتائی نے مسلم متوسط خاندانوں کی پردہ نشین لڑکیوں کی نفسیاتی پیچیدگیوں سے رونما ہونے والے مسائل کو موضوع بنایا ہے ان خاندانوں کی معاشرت میں کیا کیا برائیاں عام ہیں۔ وہ عصمت چغتائی نے دبے دبے الفاظ میں ظاہر کرنے کے بجائے انھیں واشگاف انداز اور طنزیہ اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔ اس سے ان کا مقصد ان خاندانوں کی تذلیل وتضحیک کرنا نہیں بلکہ اس معاشرے کی جس کا یہ خاندان ایک اکائی ہے اصلاح و دوستی کرنا ہے کہنے کو تو ان کا اصلی موضوع جنسی ہے لیکن حقیقت میں ان کے پیش نظر ہمہ وقت ایک خاص مقصد رہتا ہے اور وہ ہے معاشرے کی اصلاح اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت۔ اس کے لئے انھوں نے اسلوب میں واعظانہ یا نا محانہ رنگ پیدا نہیں ہونے دیا ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ مذکورہ بالا میں جتنے بھی کردار ہیں وہ اجنبی نہیں معلوم ہوتے بلکہ وہ حقیقی ہیں۔ اور اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ عصمت چغتائی نے ان کرداروں کی شخصیت کا مطالعہ بڑی گہری نظروں سے کیا ہے اور جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ ہمارے سامنے فن کارانہ حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے باعتبار زبان میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں نسوانیت ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی عورت اپنے نطقہ نظر سے لکھ رہی ہے۔ عورتوں کی زبان کی روانی اور انگریزی تحریر کے اثر سے ان کے اسلوب میں ایک انفرادی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اور طنز نے اسے شان پر چڑھا کر کاٹ دار بنا دیا ہے ڈاکٹر عبداللہ نے عصمت چغتائی کے فن پر اور بھی کڑی ضرب لگائی ہے لکھتے ہیں۔

''عصمت چغتائی ایک خاص حلقے میں بہت نیک نام ہوئیں۔ یعنی انھیں ہندوستانی مسلمانوں کے گھروں کی پردہ روی کا منصب تفویض ہوا یہ کام انھوں نے خوب کیا۔ حقیقت نگاری کی جو تحریک ترقی پسند ادب نے اٹھائی

---

[1] داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، ہندوستانی اڈیشن، ص ۱۴۳۔

تھی۔ اس کا ایک بڑا کام معاشرت کے مروجہ اخلاق کی تضحیک اور تخریب
تھا۔ اس کے لئے کسی مرد افسانہ نویس سے زیادہ خاتون افسانہ نگار کی
ضرورت تھی۔ عصمت نے ننگی حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بدلے
میں انھیں عظیم افسانہ نگار کا اعزاز عطا ہوا۔'' [۱]

شمن کی زندگی کے نفسیاتی مطالعہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا بچپن کیسا گزرا۔ ہاسٹل کے ماحول نے اسکے کردار اور اس کی شخصیت پر کیا اثر ڈالا۔ پھر آخری زندگی کس طرح گزری۔ یہ سب اجزائل مل کر ایک کل کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل اور جزئیات بھی قاری کے سامنے آئنہ بن کر آتے ہیں۔ عصمت چغتائی نے شمن کی نفسیاتی گرہوں کو جس خوبی سے بیان کیا ہے وہ اس طنزیہ ناول کو شاہکار کی حیثیت عطا کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کے نزدیک۔

''ٹیڑھی لکیر عصمت کی وہ تخلیق ہے یہاں انھوں نے اپنی نوجوانی کے تجربات
ومشاہدات کو ایک ایک کر کے استعمال کر لیا ہے۔ اور اس سرمائے میں کوئی چیز
باقی نہیں رہ گئی۔ عصمت نے اس ناول کو غیر فطری انداز میں انجام تک پہنچایا
ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنسی کی بھول بھلیوں سے ماہرانہ واقفیت
رکھتی ہیں۔ لیکن ان سے نکلنے کا راستہ انھیں معلوم نہیں اس ناول میں سماج کے
مختلف رسوم۔ اشخاص اور اداروں جو طنزیہ مکالمے میں وہ اس کا جوہر کہے
جاسکتے ہیں اس ناول کا انتساب بھی طنزیہ ہے''۔ [۲]

عصمت چغتائی بہت ہی زبردست ناول نگار ہیں۔ انھوں نے شمن کے کردار کو بہت ہی بہترین طریقے سے پیش کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک شمن کا ہی قصہ نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام لڑکیوں کا جو شمن

---

[۱] اردو ادب کی ایک ڈی، ڈاکٹر عبداللہ، مطبوعہ چمن بکڈپو، دہلی، ص ۲۲۸۔
[۲] اردو میں ترقی پسند تحریک، انجمن ایڈیشن، خلیل الرحمٰن اعظمی، ص ۲۵۵۔

کی طرح ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی سماج کے پیار سے محروم رہتی ہیں۔ یہ ناول اپنے آپ میں ہیرے کی مانند ہے جس کو اتنے پیارے انداز سے کوئی نہیں لکھ پاتا۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں عصمت نے طنز نگاری کا استعمال نہیں کیا ہے۔ پھر بھی واقعات بیانات میں طنز کی شدت بہ آسانی محسوس کی جاسکتی ہے۔ شمن کا کردار طنز کا نشانہ بھی ہے اور طنز کار بھی۔ معاشرہ کی رسمیں اور رویتیں بھی طنز کے نشانہ پر ہیں۔ شمن کا کردار شروع سے ایسے ماحول میں پرورش پاتا ہے کہ جہاں جنسی پیچیدگیاں اور جنسی الجھنیں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ ماحول اس کردار کی تشکیل کا اہم ترین عنصر ہے۔

ضفا آفرینی :

عصمت چغتائی کے ناولوں میں ضفا آفرینی اور معاشرہ نگاری کا عنصر غالب ہے۔ عصمت کے ناولوں میں معاشرے کی تصویر خارجی کم اور داخلی زیادہ ہے۔ یہاں ضفا آفرینی ناول نگاری کے بیانات کا ذریعہ بھی ہے اور کرداروں کے خیالات واحساسات کا توسط بھی۔ مثلاً دل کی دنیا عصمت چغتائی کا اصلاحی ناول ہے۔ جو ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے اس کا موضوع سماج کی برائیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً جھاڑ پھونک، تعویز، مردوں کی جھوٹی آن بان، عورتوں کی ناقدری مجبوری وغیرہ۔

یہ ناول سماجی رسم و رواج اور مذہبی پابندیوں کو پیش کرتا ہے دوسری طرف اس میں بھوت پریت اور اس قسم کے اوہام کا ذکر ملتا ہے۔ جس میں جاگیرداری دور کی تہذیب گرفتار ہے۔ عصمت نے اس کہانی کو بیان کرنے کے لئے پس منظر کے طور پر ایک مشترکہ خاندان کو پیش کیا ہے۔ جس میں سماجی رسم و رواج بڑی بوڑھیوں کے مختلف قسم کے توہمات اور مذہبی عقائد کی بہت حقیقی اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے۔ کہانی کی ہیروئن قدسیہ بیگم کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہوگئی تھی۔ شادی کے بعد اس کے میاں انگلینڈ گئے اور واپسی میں ایک میم ساتھ لے آئے۔ اور قدسیہ بیگم کو جن پر کبھی جاں نثار کیا کرتے

تھے۔یکسر بھول گئے۔اس نے ہزاروں منتیں کی۔مگر انھوں نے اس کی شکل تک دیکھنا گوارہ نہ کیا۔اب قدسیہ بیگم نے معاشرہ کے آداب کے مطابق زندگی کی ساری رنگینیوں سے منھ موڑ لیا اور اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہوگئی۔لیکن کبھی کبھی اس کے دل میں بھی امنگیں جاگ پڑتیں اور وہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کی تمنا کیا کرتیں اور یہ عام طور سے اس وقت ہوتا جب ''بوا'' کے گانے کی آواز آتی ہے۔

''بوا'' سے عصمت کہانی کی ابتداء میں ہی متعارف کراتی ہیں یہ نیم پاگل لڑکی ہے۔جس کی بارات رخصت ہوتے ہوئے ندی میں ڈوب جاتی ہے صرف دلہن بچ جاتی ہے اس حادثہ میں اس کا ذہنی توازن کچھ بگڑ جاتا ہے وہ اپنے اوپر بیوگی کے مظاہر طاری کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔کیونکہ اس نے اپنی ایک خیالی دنیا آباد کر لی ہے۔جس میں اس کے محبوب غازی میاں ہیں۔غازی میاں اس علاقے کے جانے مانے بزرگ تھے۔اور جنھیں انتقال کئے ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔بوا کی زندگی عیش سے گزرتی تھی۔وہ زیادہ تر گنگنایا کرتی۔بڑی آزادی سے گھوما کرتی۔اس لئے تو ہم پرست معاشرے میں اس نے اپنے غازی میاں کی ڈھاگ بٹھادی تھی۔اب کسی کو اسے چھیڑنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔بوا کی زندہ دلی نے قدسیہ بیگم کو بھی جینے کے ڈھنگ سکھا دیئے۔اس کی زندگی میں بھی کچھ تبدیلیاں پیدا ہونے لگی۔اور وہ اپنے رشتے کے دیور شبیر حسن سے عشق کر بیٹھی۔

اس معاشرے میں بڑی کٹھن منزل تھی کہ ایک شادی شدہ عورت کسی غیر مرد سے عشق کرے۔قدسیہ بیگم نے اپنی بساط بھر کوشش کی اور جب کامیابی کی کوئی امید نہ دیکھی تو خودکشی کی ٹھانی۔لیکن وقت پر منجھو چچا نے جو قدسیہ بیگم کے خاموش عاشق تھے۔ان کو مدد پہنچائی اور قدسیہ بیگم نے شبیر حسن کے ساتھ ایک نئی زندگی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔انھوں نے اس گھر اور معاشرے کو خیر باد کیا۔ہر قید و بند یہاں تک کہ شادی اور نکاح سے بھی بے نیاز ہو کر دل کی دنیا آباد کی۔کیونکہ ان مقروضوں کے لئے سماج اجازت نہ دیتا تھا۔ڈاکٹر ذرینہ عقیل اس پر تبصرہ کرتی لکھتی ہیں:

''دل کی دنیا عصمت کی قابل قدر تصنیف ہے۔ اس میں انھوں نے سماج کی ان بنیادی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جن کی بنا پر خاندان کے کئی افراد کی زندگیاں تباہ ہوجاتی ہیں۔ دل کی دنیا کا موضوع یہی فرسودہ خاندانی روایات بھی ہیں''۔[۱]

موضوع کے اعتبار سے یہ ناول قابل ذکر تو ہے ہی زبان اور بیان کے اعتبار سے ایک اچھا ناول ہے۔ بالخصوص مسلم متوسط گھرانے کی عورتوں کی زبان کے استعمال کے بارے میں عصمت کو تو ملکہ حاصل ہے۔ انھوں نے متوسط طبقے کی گھرانوں کے ماحول اور مزاج رہن سہن بول چال اور زبان سے باخوبی واقف ہیں یہی سبب ہے کہ ان کے کرداروں کی زبان بالکل فطری انداز لئے ہوئے ہوتی ہے۔ جیسا ماحول کا کردار ہوتا ہے اسی مطابق اس کی زبان استعمال کرتی ہیں۔

عصمت چغتائی نے دل کی دنیا میں جہاں عورت کی منفی تصویر کو بے نقاب کیا ہے وہیں اس کی ایک خوش گوار اور ٹھوس زندگی کو اطمینان بخش تصویر بھی پیش کی ہے۔ اس ناول میں عورت نے اپنی زندگی کو نیا روپ دیا ہے۔ اور نئی تبدیلی کو جنم بھی دیا ہے۔ سماج اور معاشرہ کے خودساختہ آئین کا مبنہ طور پر بائیکاٹ کیا ہے۔ کھوکھلے سماجی تصورات سے بغاوت کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ اشتراکیت کا جو بنیادی اور کلیدی اصول ہے وہ یہ کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو اپنی زندگی میں بروئے کار لائے۔ یعنی وہ اپنی دل کی دنیا آباد کرے۔ اور سماج میں اپنی ایک الگ پہچان بنائے اسی وجہ سے عصمت چغتائی نے قدسیہ بیگم کی استطاعت سے ان سبھی بنیادی اُمود کو قارئین کے عدالت میں پیش کیا ہے۔ اس ناول میں ترقی پسندی کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے قدسیہ بیگم کو عصمت نے مکمل طور پر ترقی پسند نظریات کا پیکر بنا کر پیش کیا۔ وہ سوچتی تھیں کہ اس کردار سے سماج میں پھیلی ہوئی برائیاں ختم ہوجاسکتی ہیں۔ عصمت ان سماجی برائیوں کو ختم کرانے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی ہیں۔

---

[۱] اردو ناولوں میں سوشلزم، ڈاکٹر زرینہ عقیل احمد، ص ۴۹۲۔

اس میں ناول نگار نے معاشرہ کی تصویر ہی نہیں پیش کی ہے۔ بلکہ نہایت نرم لہجے میں معاشرتی رسموں پر سخت تنقید بھی کی ہے۔ ہندوستانی بیوی اور پتی دیوتا کے معنی یہ بتائے ہیں کہ عورتیں اپنی ذات پر تمام مظالم ومصائب برداشت کئے جائیں۔ مگر زبان پر ایک حرف شکوہ بھی نہ آنے پائے خواہ اندرونی آنچ میں سارا وجود ہی مل کر راکھ ہو جائے۔

عصمت نے قدسیہ بیگم کے کردار کی نشو ونما کے سلسلہ میں اس ماحول کے نفسیاتی اثرات کو تجزیاتی انداز میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ معاشی اثرات وعوامل کی طرف کہیں کہیں صرف اشارے کر دیئے ہیں۔ قدسیہ بیگم کے علاوہ اس ناول میں جو دوسرے کردار لائے گئے ہیں۔ ان سے متعلق ان کا ماحول اور ماحول کی خصوصیات بھی پیش کر دی گئی ہیں۔ دل کی دنیا کا ہر کردار اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے اپنی الگ الگ وسعتیں رکھتا ہے۔ یہاں ان سب میں الگ الگ انفرادیت ہے اور سب پر کشش ہیں۔ عصمت نے معمولی معمولی باتوں کی وضاحت کے ذریعہ اپنے کرداروں کی اہم نفسیاتی گتھیوں اور ان کے ماحول میں پیدا ہونے والے مسئلوں کو پیش کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ضفا آفرینی کے مرحلوں میں عصمت چغتائی حالات رسوم اور روایتوں کو تو پیش نظر رکھتی ہی ہیں۔ کردار کی داخلی دنیا کی ضفاؤں کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ انکو پڑھنے والا ناولی ضفاؤں کے جادوئی اثرات میں کھو جاتا ہے۔

واقعہ نگاری:

عصمت چغتائی کے ناولوں کی واقعہ نگاری بہت جچی تلی ہے۔ ان کے واقعات کے ربط وضبط میں خاصا اہتمام نظر آتا ہے۔ ہر واقعہ دوسرے واقعات سے متعلق نظر آتا ہے۔ بالخصوص ناول کے واقعات کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی محرک موجود ہوتا ہے۔ اور ان کا تعلق زندگی کی صداقتوں سے ہوتا ہے۔

ان کا کینوس بہت وسیع ہے اور افراد کے ساتھ ساتھ سماجی وسعت بھی اس کے دائرے میں

ہے اس کا سبب یہ ہے کہ معصومہ کا پلاٹ زیادہ تر ذاتی ہے۔ اور اس میں آپ بیتی کا وہ انداز یا کرداری طرز بیاں نظر نہیں آتا جو ایک قطرہ خون میں ہے۔

ایک قطرۂ خون عصمت چغتائی کا آخری ناول ہے۔ اس کا موضوع واقعہ کربلا ہے۔ اسے عصمت کے خصوصی میلانات سے ہم آہنگ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان کا کوئی اور ناول مذہب سے متعلق نہیں ہے۔ یہ صرف واحد ناول ہے جو مذہب پر لکھا گیا ہے۔ اس ناول کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصمت کو سارے مذہب سے محبت تھی۔ عصمت نے انسانیت کو پہلا، مذہب کو دوسرا درجہ دیا۔

یہ ناول دراصل تاریخی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک تاریخی واقعہ پر مبنی ہے۔ یہ تاریخی پس منظر کا کام بھی نہیں دیتا۔ بلکہ اس ناول پر جذبات اور عقیدتی رویہ غالب ہے۔ اس سے کسی تاریخی عہد یا ماحول کی عکاسی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک فرضی تصویر ابھرتی ہے۔ جب کہ اسی میں پیش کیا گیا واقعہ بے حد اہم اور پوری انسانیت کے لئے عبرت انگیز ہے۔ لیکن عصمت چغتائی اس کے بیان میں بے حد غیر سنجیدہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہزار احتیاط کے باوجود بھی وہ افراط وتفریط سے دامن نہیں بچا سکیں۔ اسی وجہ سے پلاٹ ڈھیلا ہوگیا۔ اور تفاد بیانی بھی آگئی۔ اور بہت سی واقعاتی غلطیاں بھی در آئیں کہ جیسے حضرت علیؓ اتنے طویل القامت تھے کہ ہر دروازہ ان کے لئے چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ تاریخی واقعہ پر مشتمل ہونے کے وجہ سے اضافہ کی اجازت جو ناول نگاری کو دی جاسکتی ہے اور جس میں افسانویت بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ امر واقعہ کے خلاف نہ ہو۔ اس میں حضرت علی کی یہ کیفیت بھی دکھائی گئی ہے کہ جب وہ فاطمہ سے نکاح کا پیغام لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے تو پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اور ایک ہاتھ کی انگلیاں پکڑے ہوئے تھے۔ تاثر پیدا کرنے یا جذباتی کیفیت دکھانے کے لئے اس میں اتنا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عصمت چغتائی نے عقیدت نگاری کے جوش میں اس کا قطعاً خیال نہیں کیا کہ حضرت حسین اور اہل بیت کے لئے کیا مناسب ہے اور کیا نہیں وہ ان کی شادی کے خلاف ہے۔

اس سے عقیدہ مجروح ہوتا ہے اور کہاں تک بات نبھ سکتی ہے۔ اس طرح وہ رفس پن کا شکار ہو گئی۔

لیکن پلاٹ کے اس جھوٹ اور واقعاتی غلطیوں کے علاوہ ناول کے احساس کو اس عہد کی حیثیت اور قدروں سے جوڑا جا سکتا ہے۔ ''دوغلہ پن'' منافقت اور وجودی طرز احساس ہمارے عہد کا خاصہ ہے۔ اس واقعہ میں بھی یہی ہے جس پر عصمت نے زور دیا ہے کہ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد ماحول بدل گیا اور لوگوں نے نگاہیں پھیر لیں۔ اور حضرت فاطمہ کے انتقال اور حضرت علی کی شہادت کے بعد تو حالات بالکل ہی بدل گئے ہر فرد صرف اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر وفاداری میں ضرور ترمیم کرنے لگا۔ پورے ماحول پر بے اعتمادی طاری تھی۔ بعد میں حضرت معاویہ اور یزید نے بھی جو حاکم مقرر کئے ان پر بھی نگرانی کی جاتی تھی۔ اور حاکم بر حاکم کا سلسلہ جاری تھا۔ حر کے لئے نگراں بھیج دیا گیا۔ اور ابن سعد اور شمن بھی ایک دوسرے کی نگہداشت کر رہے تھے۔ حضرت معاویہ سیاسی بصیرت رویے اور حکمت علی کے لحاظ سے اس نئے عہد کے انسان سے تھے۔ آج کا سیاست داں جمہوری عہد میں اس طرح کے منصوبے بناتا ہے اولاد کے لئے ضنفا ہموار کرتا ہے مسئلہ ہو یا کسی چھوٹی موٹی تنظیم کی بات ہر جگہ خونی رشتوں کو ترجیح دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر امیر معاویہ اور یزید کے دور کے منافق اور آج کے عہد کے خوشامدی میں یکسانیت ہے۔ اس واقعہ کے بین سطور میں عصمت نئے عہد کے تقاضوں ضروریات اور سیاسی قدروں کو بھی دکھا رہی ہیں کہ اسٹیبلیشمینٹ کی طرح ظلم اور جبر کے لئے جواز فراہم کرتا ہے اور کچھ برصغیر کے لوگ ظاہری شکست کے تمام اسباب کے باوجود ٹکرا جاتے ہیں۔ پورے خاندان اور عزیز اقارب کو قدروں کی بازیافت کیلئے قربان کر دیتے ہیں۔ اس ناول میں کم از کم ایک نظامی اقدار یا اس کا عکس موجود ہے۔

یزید اس واقعہ کے آخر میں بقول عصمت، خود کو بری الزمہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ میری نیت اہل بیت کو بے حرمت کرنے کی نہیں تھی۔ ہمارے جمہوری عہد میں ابھی

ایسا ہوتا آرہا ہے کہ جب کام بگڑنے لگتا ہے تو الزام دوستوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ یزید نے جو کیا یا کرنا چاہا حالات نے اس کو فیصلہ دیا۔ اس نے شہدا اور اہل بیت کو قیدی بنا کر عبرت کے لئے جلوس نکالا۔ لیکن عوام مین الٹا ردعمل ہوا۔ وہ یہ مظالم دیکھ کر چیخ پڑے۔ صحابہ اکرام جو باقی رہ گئے تھے بھڑک اٹھے اور ہر طرف اس کی مخالفت ہونے لگی یہاں تک کہ اس کی بیوی بھی بغاوت پر اتر آئی اور اس طرح یزید اپنے انجام کو پہنچا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ ناول نگار اس واقعہ کے تعلق سے اسٹیبلیشمینٹ کے مظالم کو دکھا رہی ہو۔ اور جو کہ زماں و مکان اور جغرافیائی حد بندیوں کا پابند نہیں ہوتا اور ہر زمانہ ماحول اور ملک میں اپنے تقاضے ضروریات، خواہشات ظلم کرنے اور اس کو برداشت کرنے کی عادت اور وسائل رکھتا ہے۔ یہی ایک پہلو ہے جو اس ناول کی قدر و قیمت میں کسی حد تک موجود ہے۔ شادی، ولادت، خطوط، موت، ہجر کا کرب وصال کی خواہش یا لذت، رمانی زندگی کا عکس موجود ہے۔ اور مختلف بہانوں سے ان اثرات اور عناصر کو شامل کر کے روایتی آداب کا خیال رکھا گیا ہے۔ جذبات نگاری بری شدت کے ساتھ کی گئی ہے اہل بیت کے دلی جذبات کو دکھایا گیا ہے۔ حضرت زینب اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی حسرت بھری گفتگو، حضرت عبداللہ ابن جعفر اور خاص طور سے حضرت صغرا سے بچھڑنے کا دردناک منظر بھی دکھا گیا ہے۔ جو بے حد جذباتی ہے۔ سب باری باری آکر حضرت صغرا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور نامعلوم منزل کی طرف جا نکلتے ہیں۔

''پیاسا پھول'' اس ناول کا نکتہ عروج ہے جس میں جذبات میں بہہ کر عصمت صاحبہ کچھ ایسی باتیں بھی کہہ گئی جو حضرت حسین کی شان کے خلاف ہیں اور متضاد بھی۔

یہ احساس اس پورے رویے کے خلاف ہے۔ جو اس ناول میں موجود ہے۔ جس کی وجہ سے یہ الم ناک واقعہ پیش آیا ہے ایک باکردار اور تاریخ ساز شخص کی طرف ایسا احساس جگاتا ہے جو تاریخی صداقت کے خلاف ہیں۔ اگلے ہی صفحہ پر عصمت نے حضرت کی خودداری بھی دکھائی ہے کہ جو کچھ مانگا

آج تک صرف خدا سے مانگا۔ پھر اس ہی صفحے پر خدا اعتمادی بھی۔ یہ ایک ایسا احساس ہے جو خالصاً خوش فہمی پر مبنی ہے۔

میرے خیال میں ایسے واقعہ کو بنیاد بنا کر غیر جانبدارانہ ناول لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ جس کا تعلق عقیدے سے ہو۔ وہاں کچھ جانبداریاں بھی آئیں گی اور تحفظات بھی آڑے آئیں گے اور ناول نگار اپنے رویے کے اعتبار سے معروفی نہیں رہ پائے گا اس لئے کہ کردار کی شخصیت کی پرت بھی کھل سکتی ہے اور عقیدت و احترام کے غلبہ میں اس کا صحیح شخص مکمل طریقے ابھر کر سامنے نہیں آئے گا۔ عصمت چغتائی جیسی بے باک اور آزاد مزاج خاتون کا یہ ناول اس المیہ کی واضح مثال ہے۔

اس ناول کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ میں حضرت حسین اور ان کے عزیز و اقارب دوست و جانثار دکھائے گئے ہیں جو کہ شرافت اور خدا ترس کا نمونہ ہیں۔ دوسری طرف یزید اور اس کے ساتھیوں میں دنیا بھر کی برائیاں دکھائی گئی ہیں۔ اگر زندگی کا یہی رخ یا فیصلہ کن موڑ دکھانا تھا تو اس کے لئے ناول لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ انیس کے مرثیوں اور دوسرے لوگوں کے مرثیوں کی طرف دیکھ لینا کافی تھا۔ پھر زندگی کے وہ کیا احساسات تھے جو اس ناول کے بغیر پورے نہیں ہو پا رہے تھے۔

اس ناول نگاری میں صرف ''حر'' کا کردار بہت اہم ہے کہ اس کے اندر تبدیلی رونما ہوتی ہے اور اس کو سوچنے یا فیصلہ لینے کا اختیار ہے باقی کردار ماورائی صفات کے حامل ہیں۔ اس لئے یہ ناول اپنے تمام تر تقدس کے ساتھ داستانوں کی بازیافت کرتا ہے۔ داستانی طرز اور واقعات نگاری کی طرح یہاں بھی عصمت اس طرح کے واقعات کا اہتمام کرتی ہیں جن سے کرداروں کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے اور خالص داستانوں کی طرح یہاں بھی عین دوران جنگ اور درویش اہل بیت کی امداد کے لئے غیب سے آجاتے ہیں اور ان کی حمایت میں خوب لڑ کر کرشمہ دکھاتے ہیں۔

''درویش دشمن کی فوج پر یکا یک قیامت بن کر ٹوٹا سر کٹ کٹ کر گرنے

لگے۔لوگ آپس میں بات چیت ہنسی مزاق میں لگے تھے جلدی کیا ہے اطمنان
سے امام کو قتل کر دینگے یہ بلائے ناگہانی جو نازل ہوئی تو آئے حواس گم ہونے
لگے۔ہمتیں ریزہ ریزہ ہوگئیں اور بھگدڑ مچ گئی''۔[۱]

اس طرح کے کرداروں کی دریافت سے داستانوں کی فوق فطری کردار یاد آجاتے ہیں عصمت جیسی عقل پسند ناول نگار کے لئے یہ تو اہم پرستی عجیب سی لگتی ہے۔

محبت،نفرت، جوش،عداوت اور سازی وغیرہ اچھی اور بری ایسی کیفیتیں ہیں جو مختلف اوقات میں انسانوں پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ان کا عکس اس ناول میں بڑے ہی اکہرے انداز میں ملتا ہے اگر یہ انسانی محسوسات زرا سلیقے سے گہرائی میں جا کر ظاہر کئے جاتے تو بلاشبہ یہ ناول ہمارے اور ہم سے پہلے عہد میں بھی رزمیہ بن سکتے تھے۔

جب موجودہ حالات میں بات چیت زیادہ بن نہیں پائی۔ بلکہ عقیدت میں مجروح ہوئی اور انیس کے مرثیوں کی طرح اہل بیت کی آہ زاری اور ماتم ضفائی سے حیثیت کم ہوتی ہوئی معلوم پڑی تو یہ سوال بالکل فطری تھا کہ جب ان کو اس طرح آہ زاری کرنی تھی۔تو پھر اتنی بڑی تاریخی قربانی کی کیا ضرورت تھی۔اس پورے واقعہ کو جوش عقیدت حسن تاریخ یا نیم تاریخ نگاروں نے تو مسخ کیا ہی تھا۔ عصمت نے ان ہی کی کہی سنی باتوں کی تکرار کی ہے۔

یہ ایک طویل اقتباس ہے جس سے کردار کی بے اطمینانی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب وہ امیر معاویہ کو بوڑھا و مسٹنڈا بتاتی ہیں اور اپنے گاؤں کے پرانے محبوب کو حسرت کے ساتھ یاد کرتی ہیں کہ مجھے یا میرے احساسات کو دولت سے نہیں خریدا جا سکتا۔تو کردار اپنے فطری ارتقاء کی طرف بڑھتا ہے لیکن آگے جا کر رک جاتا ہے۔اس مکالمے سے کردار سوچ اور اس کی شخصیت کا بہت بڑا حصہ سامنے آجاتا ہے۔

T-5965

---

[۱] عصمت چغتائی،ایک قطرۂ خون،ص۲۹۹۔

مکالمات کے علاوہ اس ناول میں منظر نگاری بھی اچھی ہے جس سے زیادہ سے زیادہ تاثیر پیدا کرنے کا کام لیا گیا ہے۔ یہ انیس کے مرثیوں ہی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اہل بیت کا قافلہ جب مدینہ چھوڑ رہا تھا یا میدان کربلا میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ اس کے بعد ''قصر شیریں'' کے عنوان کا جو حصہ ہے اس میں بھی زبردست منظر نگاری ملتی ہے۔

اس ناول میں کئی مقام ایسے آئے جہاں عصمت چغتائی آسانی کے ساتھ کردار کے حوالے سے انسان کی نفسیات اور پوری زندگی کو اجاگر کر کے سامنے رکھ سکتی تھیں۔ لیکن انھوں نے اسے احترام کے منافی سمجھا۔ واقعات کے مطابق حضرت حسین، شیریں کی آنکھوں سے متاثر ہوئے تھے۔ اور اس کا اظہار انھوں نے اپنی بیگم بانو سے کر دیا تھا۔ اب آگے کس طرح کی نفسیاتی پیچیدگیاں اس میں دکھائی جاتی یا اس کے کردار کو فطرت کے مطابق ڈھالا جاتا کہ کردار بہت بلند ہو جاتا۔ لیکن عصمت نے ادب واحترام اور عقیدت کا رویہ اپنایا۔ اور خالص جذبات نگاری کے ذریعہ ناول لکھا ہے۔ یہی اس ناول کی خامی کا محرک ہے تاہم یہ ناول اس رجحان کا اظہار یہ کہ جو آزادی کے بعد پیدا ہوا کہ اس میں مذہبی داستانی اثرات اور ماضی پرستی شامل ہے۔

واقعات کا یہ پھیلاؤ غیر ضروری اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کا انہماک ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک قطرۂ خون انجام واقفیت پسندی کا شکار ہوا ہے تو جنگلی کبوتر کا انجام فوق واقعات میں مبتلا نظر آتا ہے۔ بہر نوع مجموعی طور پر کرداروں کے ارتقاء اور واقعات کے منظّم اور مربوط استعمال کے سلسلے میں عصمت نے اکثر موقعوں پر فن کارانہ شعور اپنی تخلیق بصیرت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

پلاٹ :

عصمت اپنے ناولوں کے پلاٹ کی تشکیل میں فن کارانہ شعور سے بھرپور مدد لیتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں وہ خاص احتیاط ملحوظ رکھتی ہیں۔ ناول نگار کی تکنیک سے وہ بخوبی واقف ہی نہیں ہیں۔ ناول

کی تکنیک کو پوری کامیابی سے برتنے میں مہارت بھی رکھتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر احسن فاروقی

''وہ تکنیک کی ماہر ہی نہیں بلکہ ایک خاص ادا اور آمد کے ساتھ وہ تکنیک کو بڑی بخوبی سے چھپا بھی لیتی ہیں ان کے فن کی جاذبیت کی ایک وجہ اس امر میں بھی ہے ان کے ہر باب اور ٹکڑے کے ظاہر بے تکے پن میں ایک خاص تک چھپا ہوا ہوتا ہے''۔[1]

ضدی میں پلاٹ کچھ ڈھیلا ڈھالا سا ہے مگر ٹیڑھی لکیر اور سودائی کے پلاٹ میں جامعیت ہے۔ بالخصوص ٹیڑھی لکیر کا پلاٹ سیدھا سادھا اور اکہرا نہ ہونے کی وجہ سے وقیع ہو گیا ہے۔ اس کے پلاٹ میں تہہ داری اور بڑی معنی خیزی ہے کرداروں کی ذہنی کیفیات اور جذباتی خم و پیچ کے دلکش اور اثر انگیز اظہارات نے پلاٹ کی کشش میں بھی اضافہ کیا ہے اور اس کی معنویت میں ضدی اور سودائی کے پلاٹ کے مقابلہ میں ٹیڑھی لکیر کا پلاٹ اس لئے بھی دلکش کر دیا ہے کہ اس کا اسلوب سوانحی تو ہے مگر امراؤ جان ادا اور نرملا کی طرح خارجی سطح پر خالص بیانیہ نہیں۔

سودائی ۱۹۴۳ء عصمت چغتائی کا ایک کمرشیل ناول ہے۔ ناول لکھنے سے پہلے یہ کہانی بزدل کے نام سے فلمائی جا چکی تھی۔ عصمت نے اس کہانی کو سودائی کے نام کے بعد میں ناول کی شکل دی۔ لہٰذا ناول کی کہانی اور اس کی پیشکش کا انداز بھی فلمی ہے۔

سورج اس کہانی کا مرکزی کردار ہے۔ یہ نفسیاتی طور پر ایک عیب نارمل انسان ہے۔ اس کی ایک ایب نارملٹی کی بنیادی وجہ وہ ماحول ہے جس میں اس کی پرورش ہوئی۔

سورج کے والدین کا اس کے بچپن میں انتقال ہو جاتا ہے۔ سورج سے چھوٹا اس کا ایک بھائی چندر اور بہن پمپو ہوتی ہے۔ ان سب کے ساتھ ایک لاوارث بچی چاندنی بھی رہتی ہے ان تین بہن بھائیوں کے ساتھ ان کی ماں کی ایک سہیلی رہتی ہے جسے یہ لوگ موسی کہتے ہیں۔ اور جو ان کی پرورش کی

---

[1] اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، ڈاکٹر احسن فاروقی، ص ۳۲-۲۲۱۔

ذمہ داری اٹھائے ہوتی ہے۔ موسی سورج کی نہایت خاطر مدارت کرتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی اوشا کی شادی سورج سے کرنا چاہتی ہے موسی چاہتی ہے کہ سورج ایک بہت ہی اعلیٰ انسان بنے۔ لہٰذا وہ صبح و شام اس کی آرتی اتارتی ہے اور اپنے گھر میں تقریباً اسے دیوتا کا درجہ دے دیتی ہے اور ابھی دن رات بہت عقیدت کے ساتھ سورج کی خدمت کرتی ہے۔

سورج کی اس خاطر مدارت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس مقام کو بنائے رکھنے کی خاطر اپنے اعمال و افعال میں نہایت محتاط ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی حرکت سوز نہ ہو۔ جو اس کے کردار پر داغ بنے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی فطری خواہشات کو بھی دبا تا رہتا ہے وہ کھیل کود اور ہنسی مذاق سے بھی دامن بچاتا ہے کیونکہ دیوتا جیسی شخصیت کے لئے یہ باتیں غیر فطری ہیں۔

سورج کو جب کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوشا سے اس کی شادی ہوگی۔ لیکن وہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں چونکہ یہ بات اس کے مرتبے کے خلاف ہیں۔ غرض کہ اس کی تمام خواہشیں اور امنگیں دیوتا کے لبادے تلے ڈھک دی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ مصنوعی طرز عمل۔ اس کے شخصیت میں پیچیدگیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے اندر سے شیطان صفت بنا دیتا ہے جب چاندنی بڑی ہو جاتی ہے تو اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اس کی شیطانیت ابھر آتی ہے اب اسے جب بھی موقع ملتا ہے وہ چاندنی کے ساتھ گستاخی کرنے سے چوکتا نہیں اس کا یہ جنون دن بہ دن بڑھتا جاتا ہے اس کی قوت ارادی ختم ہو جاتی ہیں اور وحشتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ بالآخر چاندنی ایک دن تنگ آ کر اس کے بھائی چندر کے ساتھ بھاگ جاتی ہے لیکن اسے راستے میں پتہ چلتا ہے کہ وہ جسے چندر سمجھ رہی ہے وہ دراصل سورج ہے چاندنی اس سے بچ کر بھاگنا چاہتی ہے راستے میں ان لوگوں کو چندر مل جاتا ہے اب سورج کو چاندنی سے شادی کا وعدہ کرنا پڑتا ہے عین شادی کے دن اوشا چاندنی کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ زہر پی لے تا کہ

اس کی وجہ سے گھر میں پریشانیاں اور فساد نہ بڑھے۔لیکن اوشا کے اس مشورے میں اس کی اپنی غرض پوشیدہ ہوتی ہے وہ چاندنی کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔لیکن چاندنی کے بجائے زہر کا پیالہ سورج پی لیتا ہے اس طرح اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

یعنی عصمت نے سودائی کی تخلیق عمل میں لا کر یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عورت بہر صورت آج بھی مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہے۔ بالفاظ دیگر عصمت نے چاندنی کو پیش کر کے اس بات کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ سماج آج بھی عورتوں کا جنسی یا معاشی طور پر استحصال کر رہا ہے۔اور قدم قدم پر ان کی راہ ترقی کو مسدود کرتا جا رہا ہے۔سودائی میں ان تمام عورتوں کی سماجی بدحالی کو پیش کیا ہے خواہ ان کا تعلق معاشی ہو یا جنسی اس طرح ہم اس ناول کو مجبور عورتوں کا خاکہ کہہ سکتے ہیں۔

سودائی میں سماج کی ان خرابیوں کو پیش کیا گیا ہے جو صدیوں سے پروان چڑھ رہی تھی اور آج کے پرآشوب دور میں اپنا قدم جمائے ہوئے ہیں۔اس طرح ناول سودائی فن اور تکنیک کی کسوٹی پر کھرا اترا۔ یہ ناول فنی تقاضوں کی بھرپور عکاسی بھی کرتا ہے۔لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عصمت نے محض فلمی انداز میں ناول لکھا۔ پروفیسر عبدالسلام نے اس ناول کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

> ''سودائی تو بالکل ہی فلمی کہانی ہے بلکہ اس کا حال تو اور بھی عجیب ہے پہلے فلم بنی جس کا نام ''بزدل'' تھا۔ پھر شاید کسی پبلیشر نے عصمت سے فرمائش کی کہ وہ اسے ناول کی صورت میں مرتب کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کہانی کو سودائی کے نام سے لکھ دیا۔کہانی میں ردوبدل ضرور کیا گیا''۔[۱]

مختصر یہ کہ سودائی عصمت کا ایک کمرشیل اور بزنس کے نقطہ نظر سے لکھا گیا ناولٹ ہے۔عصمت نے اس ناول کو لکھ کر اپنی فن کا دانہ صلاحیت کو پورے طور پر اجاگر کیا ہے۔عصمت ایک ذہین اور باشعور فن کار ہیں۔ان کا قلم خواہ کسی بھی سماجی مسئلے کی ترجمانی کرتا ہو۔لیکن سماجی حقائق کا دامن نہیں

---

[۱] اردو ناول، بیسویں صدی میں، پروفیسر عبدالسلام، ص ۳۵۵۔

چھوٹنے پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ناول فلمی انداز کا ہونے کے باوجود غیر فلمی انداز کا امین ہے۔ سودائی میں انھوں نے سماجی ٹھیکیداروں اور طبقاتی تفریق کی جو تصویر پیش کی ہے اس سے قدم قدم پر قاری کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہمارا سماج بھی ذاتیات اور توہم پرستی جیسی لعنت سے پاک نہ ہوسکا ہے۔ عصمت کے بنیادی خیالات کا عکاس ان کا ناول سودائی ہے۔

اس سے قطع نظر ناولٹ کا جو دوسرا اہم پہلو ہے وہ سرمایہ داری نظام اور غربت، متمول لوگ اپنی دولت اور شان وشوکت میں اتنے اندھے ہوگئے ہیں کہ وہ ایک کمزور اور غریب لڑکی کی آبرو کو اپنی جنسی درندگی کا ہدف بنا بیٹھتے ہیں۔ عصمت نے اس ناولٹ میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سماج میں رفتہ رفتہ اشتراکیت اپنا قدم مضبوط کر رہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب سماج میں مکمل طور پر ہر کس و ناکس اشتراکیت اور انسانیت کے نظریات کو سراہے۔ ایسا سماج تعمیر ہوگا جس میں کسی کو محکومی اور بیزاری میسر نہ ہوگی۔

یہ موضوع کے علاوہ فنی اعتبار سے اچھا ناول ہے اس ناول کے تمام کردار سماج کے زندہ کردار ہیں۔ اور اپنے اپنے رول کی ادائیگی میں کامیابی سے ہمکنار ہیں۔ عصمت کا اسلوب منفرد اور خوبصورت ہے اس میں طنز آمیز بے باکی کا عنصر حاوی ہے کہ کبھی کبھی اسی کی وجہ سے ان پر عریاں نگار ہونے کا الزام بھی عائد کردیا گیا ہے۔ عصمت کے ناولوں کے پلاٹ میں مقصدیت اور افادیت کا پہلو موجود ہے۔ لیکن پروپیگنڈائی زہنیت سے یہ محفوظ ہیں۔ پروپیگنڈائی میلان طرح طرح کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اور پلاٹ کے حسن واثر کو مندمل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ عصمت نے اپنی مقصدیت، پسندی کو فن کارانہ احتیاط کے ساتھ پلاٹ میں سمویا ہے۔ طرز تحریر کی نسوانی خصوصیتوں نے بھی پلاٹ کو جلا بخشی ہے۔

عصمت چغتائی ناولوں میں جو ملکہ رکھتی ہیں وہ کم ہی لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ اسی لئے ان کے

ناولوں کے پلاٹ میں واقعات کا بے روک ٹوک بہاؤ اور ایک فطری تسلسل ملتا ہے۔ چونکہ وہ ان کرداروں سے بے حد قریب ہیں۔ اس لئے اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں۔ اس لئے پلاٹ کی تشکیل کے مرحلوں میں واقعات کا انتخاب سختی سے کرتی ہیں۔ عصمت کی زبان بہت پاک ہے۔ ان کی زبان کسی طرح پھسپھسی نہیں۔ وہ جو کچھ کہتی ہیں سچ کہتی ہیں۔ عصمت اپنی زبان کا استعمال جس انداز سے کرتی ہیں وہ بالکل انوکھا ہوتا ہے۔ عصمت جو کچھ بھی لکھتی ہیں اسے ادبی رنگ سے پیش کر دیتی ہیں۔ ان کا مقام بہت اونچا ہے جیسے آسمان پر چمکتا ہوا ستارہ۔

عصمت نے عورتوں کی گھریلو اور بامحاورہ زبان استعمال کر کے ناول کو زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنایا۔ ان سے پہلے عورتوں نے بھی مردوں کی زبان میں لکھا۔ لیکن عصمت نے سو فیصدی نسوانی زبان میں لکھا۔ انھوں نے اردو میں ٹھیٹھ زبان کے بہت سے ایسے الفاظ کا احیاء کیا جن کو نستعلیق قسم کے قاری اور مصنف ناپسند کرتے آئے ہیں۔ اسی لئے ان کی زبان میں بلا کی تیزی اور چٹخارہ ہے۔ ان کی زبان میں وہ رومانی وارفتگی نہیں جس سے خواب انگیز ضفا کی تعمیر ہوتی ہے۔

✦✦✦

باب چہارم

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ

عصمت چغتائی کی فکشن نگاری کا تنقیدی جائزہ۔

اردو ادب میں لفظ فکشن یا افسانوی ادب اپنے آپ میں کافی وسعت رکھتا ہے۔فکشن ایک ایسی تحریر ہے جس میں کسی واقعہ، کہانی یا افسانے کو بیان کیا جائے۔اس لئے اس کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے۔اس میں حکایت، تمثیل، داستان ناول، افسانہ وڈرامے سبھی کچھ شامل ہیں۔ ماضی کے اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق فن تحریر کا آغاز مصر سے ہوتا ہے۔ایک خیال یہ بھی ہے کہ فن تحریر کی ابتداء ہندوستان میں ہوئی۔اور یہ دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھی۔اس لئے یہ بھی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کا اولین تحریری افسانہ مصر میں لکھا گیا۔اردو زبان ادب کی ابتداء اور ارتقاء میں سرزمین دکن اور اہل دکن کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔ چنانچہ نثری قصوں کا بڑا آغاز اور قصوں کی ابتداء کا سراغ بھی یہیں سے ملتا ہے۔اس کے بعد اپنے اپنے زمانے میں یکے بعد دیگر ادیب افسانے اور قصے ناول وغیرہ لکھتے رہے ہیں۔اس میں ملا وجی سرفہرست ہیں۔

نذیر احمد اردو ناول نگاری میں پہلے شخص ہیں۔جنھوں نے اردو کہانیوں کی بنیاد زندگی کے اہم مسائل پر رکھی۔انھوں نے اپنے تمام ناول مسلم معاشرے کی اصلاح کے لئے لکھے۔اس سے پہلے اردو میں صرف داستانیں لکھی جاتی تھی۔جن کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ داستانوں کے واقعات اور کردار مافوق الفطرت عناصر پر مبنی ہوتے تھے۔نذیر احمد کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اردو کہانی کو جن بھوت اور پری جیسے مافوق الفطرت سے پاک کر کے زندگی کے ٹھوس اور مثبت مسائل کی جانب توجہ دی۔جن میں مشہور بنات النعش، رویائے صادقہ، توبتہ النصوح، ابن الوقت وغیرہ ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ناول نگاری میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کا نام آتا ہے۔''فسانہ آزاد'' ان کا شاہکار ناول ہے۔فسانۂ آزاد میں انھوں نے لکھنؤ کی تہذیب وتمدن کی عکاسی بڑے ہی دلفریب اور

جاندار انداز میں کی ہے۔ بقول اعلیٰ احمد فاطمی ''سرشار کے فسانۂ آزاد میں پورا لکھنؤ سمایا ہوا ہے اور وہ لکھنؤ جو اپنے جاگیردارانہ عہد کو کھو رہا ہے سرشار نے بہت خوبی کے ساتھ لکھنؤ کے اس دور کی عکاسی کی ہے۔

نذیر احمد کے بعد مولانا عبدالحلیم شرر کا نام آتا ہے۔ ناول نگاری میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو میں تاریخی ناول لکھے۔ اور انھوں نے اردو ناول نگاری میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد کی طرح ان کی ناول نگاری کا بھی ایک خاص مقصد تھا۔ علی احمد فاطمی کا قول ہے۔

> ''اردو میں تاریخی ناول نگاری کی حیثیت سب سے بڑی شخصیت شرر کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شرر واحد ناول نگار ہیں جنھوں نے اپنے ناول کے کینوس میں تاریخ کا باضابطہ استعمال کیا۔ اور اپنے پہلے تاریخی ناول ملک العزیز ورجنا کے ذریعہ اردو میں تاریخی ناول کی بنیاد ڈالی۔ اور اپنی جملہ ادبی زندگی کی وساطت سے اردو فکشن کا سرمایہ کو چند اچھے ناول دیئے۔'' [1]

شرر کے دیگر مشہور و معروف ناول فردوس بریں، منصور موہنا وغیرہ ہیں۔

راشد الخیری بھی ناول نگاری کے میدان میں کامیاب ہوئے۔ وہ اپنے بیشتر ناولوں کو ڈپٹی نذیر احمد کے خیالات و افکار سے زینت دیتے ہیں۔ بقول وقار عظیم :

> ''راشد الخیری کے پورے فن کی بنیاد نذیر احمد کی دی ہوئی اس روایت پر ہے۔ جس کا آغاز مراۃ العروس اور بنات النعش سے ہوا''۔ [2]

ان کے بیشتر ناول کا موضوع عورتوں کی اصلاح ہے اور ساتھ ہی ان کی معاشرتی حیثیت کو

---

[1] عبدالحلیم شرر بحیثیت ناول نگار، علی احمد فاطمی ،ص ۱۱۸۔

[2] داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، ص ۷۶۔

مستحکم بنانا تھا۔صبح زندگی، شام زندگی اور شب زندگی ان کے معروف ناول ہیں۔

مرزا ہادی رسوا کا نام اردو ناول نگاری کی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔امراؤ جان ادا، لکھ کر انھوں نے اردو ناول نگاری میں ایک گراں قدر اضافہ کرتے ہوئے ناول کے فنی معیار کو پائیدار بنایا۔بقول ڈاکٹر زرینہ عقیل۔

''امراؤ جان ادا مرزا رسوا کا بہترین ناول ہے۔اردو زبان کا ایک مایۂ ناز شاہکار ہے۔رسوا نے امراؤ جان ادا کا کردار پیش کر کے اردو ناول نگاری میں حقیقت پسندی کی جڑیں مستحکم کی ہیں''۔[۱]

اردو ناول کے میدان میں پریم چند کا نام کافی اہمیت رکھتا ہے۔انھوں نے اس صنف میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں۔انھیں تاریخ ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔اردو ناول نگاری کے فن اور موضوع دونوں ہی کو انھوں نے ترقی سے ہم کنار کیا۔

پریم چند کا تمام تر سرمایہ اس جذبے کے ساتھ پروان چڑھتا ہے کہ سماج میں بننے والوں کے درمیان میں جو ایک گہری خلیج ہے۔اسے کس طرح سے کم کیا جائے۔تاکہ پسماندہ اور مظلوم طبقہ زمین داروں اور روسا کے ظلم و جبر سے دور رہ سکے۔ وہ اپنی اس کوشش میں پوری عمر لگے رہے اور ناولوں کے توسط سے سماجی سیاسی اور اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ان کے اس طرح کے افکار کو گئودان۔میدان عمل، چوگان ہستی بازار حسن، نرملا، غبن وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے منٹو نے بھی جنس کو اپنا موضوع بنایا۔انھوں نے جنسیات پر بہت کچھ لکھا۔اور کمال حاصل کیا۔

۱۹۳۶ء کی ترقی پسند ادبی تحریک کے عالم وجود میں آنے کے بعد اردو ناول نے بعض نئے رجحانات کی عکاسی کی ترقی پسند ادیبوں نے اردو زبان و ادب کو انسانی زندگی کی سچائیوں، عصری تہذیب و تمدن کی کروٹوں و اجتماعی تحریکوں سے ہم آہنگ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔سجاد ظہیر نے 'لندن کی

---

[۱] اردو ناولوں میں سوشلزم، ڈاکٹر زرینہ عقیل، ص ۲۶۶۔

رات' لکھی۔ جس میں ترقی پسندی کے نظریات و افکار کو بیان کیا۔ اس تحریک کے علمبردار سجاد ظہیر کے علاوہ احمد علی، ملک راج آنند، رشید جہاں وغیرہ نے اس تحریک کو آگے بڑھانے میں اور اس کے افکار و نظریات کو عوام تک پہنچانے میں کلیدی رول ادا کیا۔

عصمت چغتائی اردو کی بلند پایہ کی ادیبہ ہیں انھین بچپن ہی سے تعلیم کا شوق تھا۔ انھوں نے اردو ادب میں جو مقام حاصل کیا۔ وہ آج تک کوئی اور خاتون نہیں کر سکیں۔ انھوں نے بہت کچھ لکھا۔ جو بھی لکھا ہے بہت صاف اور سلیس زبان میں لکھا۔ اور کھل کر بہت صاف گوئی کے ساتھ مسلم گھرانوں کی خواہش کے بارے میں ہر طرح کے مضامین لکھے۔ انھوں نے اپنے ناول افسانوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے کردار کو بخوبی انجام تک پہچایا۔ لیکن انھوں نے بچوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لئے بھی لکھا ہے۔ ان کے مطابق بچوں کی پرورش و تربیت میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے اور ترقی پسند سماج میں ان کو بھی جائز حقوق ملنے چاہئے۔

عصمت چغتائی منٹو کے دور کی ناول نگار ہیں۔ منٹو کی طرح انھوں نے بھی جنس پر خاصی تعداد میں ناول لکھے۔ لیکن ان کا جنسی ناول منٹو کے جنسی ناول سے مختلف ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے چہار دیواری کے اندر مقید عورتوں کے طرز معاشرہ پرستی، کھوکھلے رسم و رواج اور ان پر زبردستی لادی گئی غیر ضروری مذہبی پابندیوں کے خلاف نہ صرف صدائے احتجاج بلند کی۔ بلکہ ان پر خاصی ضرب لگا کر سماجی و جنسی حقیقت نگاری کو روشن کیا۔ عصری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد انھیں معاشرے کی ناہمواریوں کے جو اسباب نظر آئے ان کی ترجمانی بڑی فنی چابکدستی سے کی۔ مثلاً عورتوں کی اپنی ضرورتیں ان کے مساویانہ حقوق غیر ضروری حد سے بڑھی ہوئی پابندیاں ان کی ذہنی و جنسی کشمکش وغیرہ۔ معاشرے کی شوخ نوجوان لڑکیوں کے گوناگوں مسائل اور ان کے جنسی و ذہنی کرب کو بڑے ماہرانہ انداز اور نفسیاتی انداز میں انتہائی بے باکی سے پیش کیا ہے۔

عصمت کے یہاں جنسی شعور ارتقائی ہے۔ان کے ابتداء میں دو قسم کے رجحانات ملتے ہیں۔ ایک تو ایسی جنسی زندگی جس کی کوئی سماجی حیثیت نہیں۔مثلاً نوجوان طبقے کی ذہنی الجھنیں جذباتی اور جنسی کشمکش وغیرہ دوسرے یوپی کے متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے جذباتی مسائل نفسیاتی الجھنیں اور جنسی گھٹن سے پیدا ہونے والی جنسی کشمکش اور افراتفری کے تجربے جن کا مقصد مریفانہ عناصر کو نکال کر زندگی کے صحت مندانا تصور کو اس طبقہ میں عام کرنا تھا۔جنسی مسائل کی طرف عصمت نے نفسیاتی افسانوں کے ذریعہ ہماری توجہ دلائی تاکہ عورت جو ازل سے جنسی استحصال کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔اسے آزاد کرا سکیں۔عصمت نے متوسط درجے کے مسلمان لڑکے لڑکیوں کی جنسی الجھنوں کو اپنے افسانوی ادب کا موضوع بنایا اور اس میں کمال حاصل کیا۔

ضدی کی اشاعت ۱۹۶۱ء میں عمل میں آئی۔ابھی تک عصمت کی کوئی پہنچان متعین نہیں ہوئی تھی۔لیکن ضدی نے انھیں ایک ایسے فن کار کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔جو سماجی مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے۔اور ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ضدی نہ کوئی ان کی اچھی تحریر ہے۔اور نہ اس سے ان کی زندگی کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ لیکن عصمت کی تحریر میں ایک باغیانہ روش ملتی ہے ان کے یہاں جنسیت اور طنز کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ضدی میں طنز بھرا پڑا ہے۔ضدی میں ان کی نشاندہی برائے نام کی جاسکتی ہے۔وہ ایسی فن کار ہے جو سماج کو سب کچھ سمجھتی ہیں۔اس لئے ان کی عزت تاریخی زیادہ ہے اور ادبی کم۔عصمت کے فکر وفن کا مطالعہ کرنے کے بعد ضدی کا شمار ایسی فہرست میں کرنا چاہئے۔جس سے یہ محسوس ہو کہ عصمت چغتائی ایک بڑی فن کار ہیں۔

ضدی کے مرکزی کردار دو ہیں، پورن اور آشا۔آشا یہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور پورن ایک زمیندار گھرانے کے انسان ہے۔آشا سے پورن نہ صرف محبت کرتے ہے بلکہ اس کو اپنی

زندگی میں لانے کی بھی سوچتے ہے۔لیکن گھر اور خاندان کے لوگ اس کی زندگی میں روکاوٹ بن کر آتے ہیں۔

عصمت نے اس ناول میں سماجی رسم ورواج کا مذاق اڑایا ہے۔قانون اس وجہ سے بنتا ہے کہ اس کے ذریعہ سماج کو آرام وسکون مل سکیں۔نہ کہ دل آزاری کا سبب بنے۔سہیل بخاری لکھتے ہیں:

''عصمت نے ہیرو کی بیوی کو فرار کرا کے سماج پر ایک شدید چوٹ کی ہے''۔[۱]

یہ ناولٹ رومانی ہے۔اس میں روزمرہ کے جو واقعات ہوتے ہیں ان سب کو اس افسانے میں بیان کر دیا ہے۔عصمت نے اس ناولٹ میں رومانس اور حقیقت کو یکجا کر کے پیش کیا ہے۔خاص طور پر اس میں ذات پات سماجی، اونچ نیچ، ادنیٰ اور اعلیٰ کے تضادات اور اس کے نتائج خاندانی روایت پرستی اور جھوٹے خاندانی وقار کو اپنے طنز وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔اس میں پلاٹ سازی عمدہ اور کردار نگاری عروج پر ہے۔بقول مسیح الزماں :

''محبت میں ناکامی اور موت قصوں میں عام بات ہے لیکن طریق پیش کش ماحول آفرینی اور کرداروں کے نفسیاتی ردعمل نے اس مختصر ناول کو خاص درجہ دیا''۔[۲]

اگر کوئی بھی ناول لکھا جائے تو اس کے لکھ جانے میں کردار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔بغیر کردار کے ناول ایسا ہی ہے جیسے بغیر روح کے جسم۔عصمت نے اس میں جن کرداروں کو پیش کیا ہے ان سب نے نفسیاتی ردعمل کے سبب سماج کی ان خرابیوں کو جو روزمرہ کی انسانی زندگی میں درپیش ہوتی ہے۔حق سے ادا کر دیا ہے۔جہاں تک اس ناول کے پلاٹ کا سوال ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عصمت نے بڑی فن کارانہ چابکدستی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے واقعات کے اندر رہ کر پلاٹ کو

---

[۱] اردو ناول نگاری، سہیل بخاری، ص ۱۷۵۔

[۲] معیار و میزان، ڈاکٹر مسیح الزماں، ص ۱۸۴۔

ترتیب دیا ہے۔جس سے عصمت کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

عصمت نے اس ناولٹ میں امر کے بارے میں بتایا ہے کہ محبت سے دوستی مضبوط ہوتی ہے۔ محبت ایک سچائی ہے جس میں جھوٹی شان سے پوشیدہ نہیں رہا جاسکتا۔عصمت نے اس ناولٹ میں عشق و محبت کے بارے میں بتایا ہے۔ اگر اس کہانی میں عشق ومحبت کے بارے میں نہیں بتایا جاتا تو عصمت کا ناول اتنا مشہور نہیں ہوتا۔اور غالباً یہی وہ محرکات ہیں جس سے کہ عصمت کا یہ ناولٹ ہر کس و ناکس کے شعور پر اپنا دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔ضدی کا مطالعہ کرنے کے بعد سرمایہ دار نظام کے تئیں نفرت محسوس ہوتی ہے۔دو محبت کرنے والے ملا دیئے جاتے ہیں۔سرمایہ دار طبقہ کی محبت کو ذات پات کے ترازوں میں تولنے کی کوشش کی ہے۔

جس دور میں ضدی ناول لکھا گیا اس وقت واقعیت نگاری زوروں پر تھی۔وہ واقعات رومانی ہی کیوں نہ ہو۔پیش کش میں اس امر کو ملحوظ رکھا جاتا تھا تاکہ ادب میں طبقاتی کشمکش کو سرفہرست بیان کیا جائے۔عصمت نے اس غم کو بڑی حد تک محسوس کیا اور اپنے پہلے ہی ناولٹ میں اس کا خاص طور پر تجربہ کیا۔عصمت کی یہ پیش کش اس لحاظ سے معنویت کی حامل ہے۔وہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں کی صدیوں پرانی باہمی مخاصمت کو دوستانہ اور بھائی چارے کا روپ دینا چاہتی ہیں۔یہی عصمت کا نصب العین ہے۔وہ ذات پات کی تفریق کو رائے زمین کلی طور پر مٹا دینا چاہتی ہیں۔ضدی اس کی اولین مثال ہے۔جس میں ان کی واقعیت نگاری کھل کر سامنے آتی ہے۔

کچھ لوگ پورن کے کردار کو مجہول اور ناقص کہتے ہیں۔وہ اس ناولٹ کی تخلیق کو غلط قرار دیتے ہیں۔جبکہ اس ناولٹ میں زمانہ کے ستم اور اس سے جو امور پیدا ہوتے ہیں اس کا بہت ساتھ دیا ہے۔ مجموعی طور پر عصمت کا یہ ناولٹ ترقی پسندی نظریات کا حامل کہا جاسکتا ہے۔پورن اسی ناول کا مرکزی کردار ہے۔اس میں اشتراکیت شامل ہے۔اسی میں ترقی پسند خیالات بھی آتے ہیں۔وہ خیالات

کے ذریعہ اعلیٰ خاندانی روایت اور جھوٹی شان وشوکت کا بائیکاٹ کرتی ہیں۔ وہ امیری اور غریبی کو نہیں مانتی ہیں۔ بلکہ انسان کے انسان کو سمجھے اور ایک دوسرے سے محبت قائم کرنے پر زور دیتی ہیں۔ عصمت چغتائی نے اس ناول کے ذریعہ جھوٹی شان وشوکت والے لوگوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ اب ایسا سماج نہیں چاہئے جس میں جھوٹی شان وشوکت والے لوگ اپنا گھر بنا سکیں۔

عصمت کا کامیاب ناول ٹیڑھی لکیر ہے اس میں اس کا فن پوری طرح نکھر کر ہمارے سامنے آتا ہے اس کے علاوہ اس ناول کی اہمیت کا راز اس کی حقیقت میں منسوخ ہے یہ ایک طرح کا سوانحی ناول ہے فن کار کی زندگی کے اہم واقعات اس کے فن میں کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی درجے میں نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن ناول نگار یا افسانہ نگار کبھی کبھی یہ طے کرتا ہے کہ وہ اپنے کسی فن پارے میں کسی کردار کے پردے پر اپنے سوانحی حالات سے کم وکاست یا معمولی ردو بدل کے ساتھ بیان کرے۔ اس طرح سے تخلیق کی اہمیت دوگنی ہو جاتی ہے اور تلاش وتحقیق کے بعد مصنف کی زندگی کے بعض اہم گوشے سامنے آتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے فن کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ عصمت نے اپنے بعض مضامین میں اور بیانات میں اپنی زندگی کے بعض اہم گوشوں سے نقاب اٹھائی ہے۔ اس طرح ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ عصمت کی زندگی اور ان کے مختلف کرداروں کے درمیان مطابقت اور عدم مطابقت کا پتہ لگا سکیں۔

عصمت ایک اعلیٰ درجے کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر بزرگوں کی عدم توجہیں کے سبب ان کے کردار میں بعض نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی۔ انھوں نے خوب اعتراف کیا ہے کہ وہ بیج جس سے میری ہستی وجود میں آئی قطعی ٹیڑھا میڑھا نہ تھا۔ ضرور پالنے پوسنے میں کہیں بھول چوک ہو گئی۔ ٹیڑھی لکیر کی شمن کا بھی یہی حال ہے کہ جو بچے کم عمری میں عدم توجہیں اور غریبی کا شکار ہو جاتے ہیں ان کے اندر ایسے complex پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا علاج ساری زندگی نہیں ہو پاتا۔

عصمت نے کسی جگہ لکھا ہے کہ وہ بھرے ہوئے گھر میں پیدا ہوئیں جہاں کسی نئے بچے کی ولادت کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ بقول خود ان کے وہ بچوں کے جم غفیر میں پیدا ہوئی تھی۔ نہ ان کے لاڈ ونخرے ہوئے نہ تعویذ گنڈے کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ جہاں اور دسیوں بچے تھے وہاں ان میں ایک یہ بھی تھیں شمن کی صورت بھی یہی تھی۔

عصمت کے یہاں ایک بات یہ تھی کہ وہ بچپن میں بہت کھلاڑی تھیں۔ پتنگ اڑاتی تھیں، کبڈی کھیلتی تھیں۔ چھتوں اور چھجوں پر قلانچیں بھرتی تھیں۔ بڑی بوڑھیاں ان باتوں کو کیسے پسند کرسکتی تھیں۔ وہ ڈائنیں گھورتیں، برا بھلا کہتی۔ اور کہتی اے ہے لو ہمارے سامنے کی لڑکیاں ایسی بے شرم ہوئیں۔ جب دیکھو جب ٹھی ٹھی۔ جب دیکھو چوکڑی لڑکیاں ہیں۔ وہ تقریباً وہی لڑکیاں ہیں۔ جن کا عصمت کو اپنی زندگی میں تجربہ تھا۔ ٹیڑھی لکیر میں اس طرح کے اپنے سارے تجربات انھوں نے شمن کے پردے میں بیان کردیئے ہیں۔ عصمت ٹیچر بھی رہیں۔ اور انسپکٹر آف اسکولس بھی سرکاری مدرسوں کو قریب سے دیکھنے کا انھیں کافی موقع ملا۔ عصمت نے شمن کے لئے استانی کے پیشے کا انتخاب کیا۔ ٹیڑھی لکیر کی تصنیف کے وقت عصمت کے یہاں ولادت ہونے والی تھی۔ انھوں نے شمن کو بھی اس تجربے سے گزارا۔ اس طرح یہ ناول ایک سوانحی ناول ہے۔ سوانحی ناول کو افسانوی ادب کے بعض ناقدوں نے دوسرے درجے کا ناول کہا ہے ان کا خیال ہے کہ اس کی تاریخی اور تحقیقی اہمیت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ فنی نقطہ نظر سے یہ کوئی اعلیٰ درجے کی چیز نہیں بن پاتا۔ مثلاً فورسٹر نے کہا ہے کہ ناول کا اگر کوئی کردار بالکل ملکہ وکٹوریہ کی طرح ہے تو وہ واقعی ملکہ وکٹوریہ ہے وہ اردو ناول نہیں بلکہ سوانحی ہے۔ اگر واقعات کو دل سے پیش کردیا جائے تو اخبار کی رپورٹیاں تاریخ کی کتاب میں وجود میں آسکتی ہیں۔ مگر افسانوی ادب نہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فن کار نے اپنے تخیل سے اس میں رنگ آمیزی کی ہو۔ اپنے سوانحی واقعات کو بے کم وکاست بیان ناول کو خود نوشت سوانحی بنادے گا۔ لیکن

اگر فن کار اسے کام مواد کے طور پر استعمال کرے۔ اور اپنے تخیل کے سہارے اسے ناول یا افسانے کی شکل میں پیش کر دے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایسے ناول کی تاریخی اور تحقیقی اہمیت کیا ہے یہ افسانوی ادب کے دائرے سے خارج ہے اور یہ دیکھنا محقق کا کام ہے، مورخ کا یا سوانحی نگار کا۔ افسانوی ادب کے طالب علم کو بس یہ دیکھنا ہوگا کہ پیشکش فن کارانہ ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے 'ہمزاد' سے فن کار علیحدگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں۔ جب فن اس درجے پر پہنچ جاتا ہے تو سوانحی ناول بھی اس طرح کے وجود میں آتے ہیں۔ جیسے ڈی۔ ایچ۔ لارینس کے باجیمس جوائس کے یا پھر بروست کے عصمت کا ٹیڑھی لکیر بھی اس کا مستحق ہے کہ کامیاب سوانحی ناولوں میں اس کا شمار کیا جائے۔

معصومہ عصمت چغتائی کا شاہکار ناول ہے۔ اس افسانے میں مسلمانوں کے متوسط گھروں کے لئے لوگوں کی اقتصادی بدحالی کو بڑے ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اور اس ماحول کو پیش کرنے کے لئے معصومہ کے کردار کا سہارا لیا ہے۔ عصمت چغتائی پہلی افسانہ نگار تھیں جنھوں نے مسلمانوں کے متوسط طبقے کے لوگوں کو اپنا موضوع بنایا۔ پورا ناول سماج کا آینہ دار ہے۔ اس کا کینوس بہت بڑا ہے۔ یہ ناول پورا بمبی کے ماحول پر لکھا گیا ہے۔

یوں تو غریبی ہمارے سماج میں ہر جگہ ہے۔ جس کی زد میں آکر انسان کبھی کبھی اپنی عزت اور شرافت اور اس سے بڑھ کر خاندانی وقار اور شان وعظمت کو کھلے بازار میں نیلام کر دیتا ہے۔ یہ مفاہمت عارضی طور پر ٹھیک ہے۔ لیکن جب انسان اپنی دنیاوی خواہشوں کو وسیع سے وسیع تر بناتا ہے تو اپنی عصمت جیسی عزیز چیز کو بھی داؤ پر لگا بیٹھتا ہے۔ جس سے زندگی تو سنور جاتی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ سماج میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور دبے پاؤں اس کا ضمیر اندر ہی اندر ملامت کرتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور طبقہ ہے جس کے پاس انتہا دولت ہے۔ ٹھاٹ باٹ اور ان کی اپنی دولت کے علاوہ آباؤ اجداد کی دولتیں ہیں۔ جس سے وہ سماج میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ سماج کے

امرا درؤسا اپنی جھوٹی شان سے بہت کچھ کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ سماج میں ان دولت مند لوگوں کو اقتدار حاصل ہے۔ اسی وجہ سے سماجی ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔ اور سماج کے لوگوں کو اپنی محکومی میں زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یعنی ایک بات کلی طور پر واضح ہوگئی کہ متمول لوگ سماج میں اپنے نام ونمور کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ ساری دنیا کی چیزیں خرید سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ دولت کسی معصوم لڑکی کی عصمت ریزی پر خرچ ہوتی ہے تو سماج میں اسے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور متمول لوگوں کی اس گھناؤنی حرکتوں کو سماج سفا کی اور درندگی کا نام دیتا ہے۔ یعنی دولت مند لوگ غریب لڑکیوں کو اپنی جنس کا نشانہ ہی نہیں بناتے ہیں۔ بلکہ شوق اور تفریح سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بے شمار معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کر دیتے ہیں۔ یہ عمل انفرادی طور پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اجتماعی طور پر اس فعل بد کو سماج میں پھیلاتے ہیں۔ یہی لڑکیاں جن کی عصمت دری کی جاتی ہے وہ رفتہ رفتہ اس قدر پختہ ہو جاتی ہیں کہ اسے باقاعدہ پیشے کا روپ دے دیتی ہیں۔ لیکن انھیں اس امر کا علم نہیں ہوتا کہ ان کے ذریعہ کیا گیا فعل سماج میں کیا ردعمل ظاہر کرے گا۔ جو لڑکیاں ناوقت جنس کا شکار ہو جاتی ہیں ان کے اثرات سماج میں منفی ہو جاتے ہیں۔ سماج میں دیگر نوعمر لڑکیاں بھی اس طرح کے مذموم عمل میں شریک ہو جاتی ہیں پھر وہ دولت کی خواہش پوری کرنے کے لئے زندگی کی عیش وعشرت کو فروغ دینے کے لئے یکے بعد دیگرے سیٹھوں اور ساہوکاروں کے پہلو میں بیٹھتی ہیں۔ ان کی جنسی خواہش پوری کرنے کے بعد جب وہ دولت مند ہو جاتی ہیں تو سماج میں ان کی اپنی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ بلکہ سماج انھیں سرعام میں رنڈی یا طوائف کا نام دے دیتا ہے۔ ان کو سماجی وقار اور حیثیت سے محروم کر دیتا ہے۔ سماج اس حقیقت سے بے بہرہ رہتا ہے کہ ان لڑکیوں کو جو پھول بننے سے پہلے شاخوں سے توڑ لیتے ہے وہ کوئی اور نہیں۔ بلکہ ہمارے سماج کے دولت مند لوگ ہیں۔ جو اپنی جنسی خواہشوں کو بروئے کار لانے کے لئے اس طرح کے فعل میں سرگرم عمل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ یہ

عمل سماج پر کیا اثرات مرتب کرے گا۔

دولت مند لوگ خود اس طرح کی حرکت نہیں کرتے۔ اور نا ہی خود عیاش ہوتے ہیں۔ بلکہ انھیں اکسانے والے اور اس طرح کے فعل کی جانب داغب کرنے والے ہمارے سماجی دلال اور چمچوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے۔ اور وہ ایسا کر کے دونوں طرف سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مالدار لوگ کمیشن دیتے ہیں اور جس لڑکی سے جنسی خواہش پوری کی جاتی ہے وہ کمیشن کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور دیتی ہے اس طرح ان کی ساری زندگی اس نوعیت دلالی میں گزر جاتی ہے۔ بلاشبہ ان دلالوں کے ذریعہ سماج میں مزید کرپشن کو فروگ ملتا ہے۔

جس سماج میں اس طرح کا ماحول ہوگا اس میں عام انسان اپنی فطری زندگی سے بھی محروم ہو جائے گا۔ دولت کی چمک دمک اور جھوٹی شرافت کے بارے میں کہتے رہنا مزدوروں اور غریبوں کی کراہتی و سسکتی ہوئی زندگی اور اس سے بڑھ کر معصوم اور نوعمر لڑکیوں کا جنسی استحصال یہ سب فعل ہیں۔ جو سماج کو شکستہ کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ عصمت چغتائی ان تمام سماجی مسائل کے بارے میں بتانا چاہتی ہیں تا کہ ایک پاکیزہ سماج بن سکے۔

موضوع کے علاوہ فن سے بھی یہ ایک اچھا ناول ہے۔ اسلوب بیان اور کردار نگاری میں بھی ایک اچھا ناول ہے۔ اس ناول میں عصمت نے کرداروں کی عادت و اطوار کے علاوہ ان کی زبان کو ان ہی کے لب و لہجہ میں بڑی خوبصورتی کے سات قلم بند کیا ہے۔ عصمت نے معصومہ میں اس کائنات کی تصویر کشی کی ہے جہاں بغیر تخت و تاج کے بھی نواب اپنی نوابی شان میں گم نظر آتے ہیں۔ معصومہ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت آج بھی بے بس انسان ہے لیکن مرد آج بھی عورت پر حاوی ہے۔

سودائی عصمت چغتائی کا ایک کامیاب ناول ہے۔ جو نفسیات پر لکھا گیا ہے جو نفسیات کے اعتبار سے اعلیٰ خاندانوں کے لوگوں کے گرد گھومتا ہے۔ جن کی دنیاوی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے۔

بظاہر وہ شرافت کا بھیس بدلے ہوئے ہے۔لیکن ان کا اخلاق اچھا نہیں ہے وہ جھوٹ پر سماج کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔وہ نیچ ذات کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے۔مگر ان کی عزت پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔

سودائی میں ہندوستان کی بدلتی ہوئی قدریں صاف دکھائی دیتی ہیں۔چندر اس افسانے میں ایک ایسا کردار ہے جو ان تمام فرسودہ روایتوں کا منکر ہے جس سے اونچ نیچ کے بارے میں پتہ چلتا ہے اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔انسانیت سب سے بڑا دھرم ہے اپنے گھر خاندانوں والوں سے بغاوت کرتا ہے اس لاوارث بچی کو اپنا لیتا ہے۔یوں تو غربت ہمارے سماج کا ایک بدنما داغ ہے۔جس کی وجہ سے عزت کھلے عام نیلام ہو جاتی ہے۔لیکن جب انسان اپنی دنیاوی خواہشوں کو وسیع تر وسیع بناتا ہے۔اس وقت کے اقتصادی حالات کو اس ناول میں پیش کیا گیا ہے۔

ویسے اس ناول کا پس منظر فلم کا سا ہے۔سودائی کو ناول کی شکل دینے سے پہلے یہ کہانی 'بزدل' کے نام سے فلم بن چکی ہے۔اور اس کا فنی اوصاف چمکتا ہے۔اس طرح یہ ناول فن اور تکنیک کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔یہ ناول فنی تقاضوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔بقول پروفیسر عبدالسلام :

> ''سودائی تو بالکل ہی فلمی کہانی ہے بلکہ اس کا حال تو اور بھی عجیب ہے۔فلم بنی جس کا نام بزدل تھا۔پھر شاید کسی پبلیشر نے عصمت سے فرمائش کی کہ وہ اسے ناول کی صورت میں مرتب کر دیں۔چنانچہ انھوں نے اس کہانی کو سودائی کے نام سے لکھ دیا۔کہانی میں ردوبدل ضرور کیا گیا۔اسی طرح فلم کو ضدی بھی کہا گیا تھا۔سودائی کے کرداروں کے نام بھی فلمی انداز کے ہیں۔مثلاً چندر اور سورج اس میں کئی باتیں فلم پر لطف منظر پیش کرنے کی خاطر درج کی گئی ہیں۔مثلاً دیوتا ساں سورج کا چپکے سے لڈو کھا جاتا اور پھر منہ میں دبائے رکھنا۔منشی

جی کی حرکتیں اس کے علاوہ اس میں سنسنی خیز واقعات بھی ہیں۔ سورج کی چوری چھپے چاندنی پروست و رازیاں رات کو اس کے کمرے میں نہایت خطرناک راستے سے آنے کی کوشش آخر میں اس کا چندر بن کر چاندنی کو کار میں بھگا لے جانے کا منظر تو بالکل فلمی نوعیت کا ہے''۔[۱]

سودائی ایک بزنس کے نقطہ نظر سے دیکھا گیا ناول ہے۔ عصمت کا فن اس سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے ناول کا موضوع فلمی انداز کا ہے لیکن غیر فلمی انداز میں سودائی میں انھوں نے سماجی ٹھیکیداروں کی تصویر پیش کی ہے اس سے قدم قدم پر قاری یہ سوچتا ہے کہ ہمارا سماج بھی ذات پات اور مذہب پرستی جیسی لعنت سے پاک نہ ہوسکا ہے۔ عصمت کی بنیادی خیالات کا عکاس ان کا ناول ہے۔

سودائی میں عصمت نے سماجی وثقافتی نکات کو پیش کیا ہے۔ اس ناولٹ کی تخلیق دراصل اس امر کی جانب توجہ مبذول کرتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ غیر فطری ماحول انسان کو بگاڑ سکتا ہے۔ کچھ فطری امور ایسے ہیں جن کے آگے انسان لاچار نظر آتا ہے۔ انسان جنسیات میں ایک بچے کی مانند ہوتا ہے۔ یہ ایسے جذبات ہوتے ہیں جنھیں کسی طرح دبایا نہیں جا سکتا۔ اگر وہ دبائے جائیں تو اور بھی زیادہ ابھرتے ہیں۔ ہمارے سماج میں نیک انسان نیک ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسے عام انسانوں سے الگ سمجھا جاتا ہے۔

سودائی کا دوسرا اہم پہلو سرمایہ داری ہے۔ لوگ جب زیادہ مالدار ہوتے ہیں تو وہ غریب لڑکی کو اپنی جنس کا شکار بنانا چاہتے ہیں۔ اور پیروں تلے ایک بے بس لڑکی کی زندگی کو پامال کرتے ہیں۔ جو عورت کی رفتہ رفتہ اہمیت کو محسوس کر رہے ہیں۔ اور جنھوں نے عورت کے ساتھ انصافی ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے خلاف آواز بھی بلند کی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ جاگیرداروں میں سب ایک سے

---

[۱] اردو ناول بیسویں صدی میں، پروفیسر عبدالسلام، ص ۲۵۵۔

مزاج کے ہو۔ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔جنھوں نے عورت کو سہارا دیا ہے۔عصمت نے سودائی میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔کہ سماج میں اشتراکیت بڑھ کر آرہی ہے۔اور وہ دن دور نہیں جب سماج میں مکمل طور پر ہر کس و ناکس اشتراکیت اور انسانیت کے نظریات کو سراہے گا۔

یہ ناول فنی اعتبار سے بھی اچھا ناول ہے۔اس ناول کے سارے کردار زندہ کردار ہیں۔وہ اپنا اپنا رول اچھی طرح کرتے ہیں۔یہ دو خصوصیتیں ہیں اس سے قصہ میں توانائی آگئی ہے اور پڑھنے والا پڑھ کر خوش ہو جاتا ہے۔

دل کی دنیا عصمت چغتائی کا ایک اور اچھا ناول ہے۔جس کو عصمت نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔اس کا موضوع سماج کی برائیوں کی طرف ہے۔مثلاً دعا،تعویز،جھاڑ پھونک،اوہام پرستی،مردوں کی جھوٹی شان وشوکت،عورتوں پر ظلم وغیرہ ہیں۔بقول ڈاکٹر ہارون ایوب :

> ''ناول سماجی رسم و رواج اور مذہبی پابندیوں کو پیش کرتا ہے تو دوسری طرف اس میں بھوت پریت اور اسی قسم کے اوہام کا ذکر بھی ملتا ہے۔جس میں جاگیرداری دور کی تہذیب گرفتار تھی''۔[1]

دل کی دنیا میں عصمت چغتائی نے جہاں عورت کی منفی تصویر کو بے نقاب کیا ہے وہیں اس کی خوش گوار اور ٹھوس زندگی کی اطمینان بخش تصویر بھی پیش کی ہے۔اس ناول میں عورت نے اپنی زندگی کو نیا روپ دیا ہے۔اور نئی قدروں سے روشناس کرایا ہے۔اور سماج میں ایک نئی تبدیلی کو جنم دیا ہے۔سماج اور معاشرہ کے خودساختہ آئین کا اپنے طور پر بائیکاٹ کیا ہے۔کھوکھلے سماجی تصورات سے بغاوت کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔عصمت نے قدسیہ بیگم کی وساطت سے سبھی بنیادی امور کو قارئین کے عدالت میں پیش کیا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ اس ناول میں ترقی پسندی کے نظریات کی کچھ بھرپور

---

[1] اردو ناول،پریم چند کے بعد،ڈاکٹر ہارون ایوب، ص ۱۵۰۔

عکاسی کی گئی ہے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ بالخصوص قدسیہ بیگم کو عصمت نے مکمل طور پر ترقی پسند نظریات کو پیکر بنا کر پیش کیا ہے۔

جنگلی کبوتر عصمت چغتائی کا ایک کامیاب ناول ہے اس کی کہانی تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔ ایک مرد اور دو عورتوں کے سہارے یہ کہانی ختم ہوتی ہے ان کا یہ ناول اور ناولوں سے کچھ الگ ہے۔

ہمارے سماج میں جو مردوں کو مقام حاصل ہے۔ اس کی بنا پر عورت کو مرد نے نمبر دو کا شہری قرار دیا ہے۔ اگر مرد ایک سے زیادہ شادی کریں تو اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ شادیوں کے علاوہ وہ لڑکیوں سے جنسی اتصال قائم کرے۔ تو اسے سماج مرد ذات کا پیدائشی حق سمجھ کر بالکل سکوت اختیار کرتا ہے لیکن اگر عورت اس سلسلہ میں کوئی اقدام اٹھاتی ہے تو وہ سماج کی بدترین سنے کہلائے گی۔ اور سماج کے لوگ اسے نہ صرف سماج سے اس کا رشتہ منقطع کرتے ہیں بلکہ اس کو ایک ایسی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس سے وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اس کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آتا ہے جہاں اپنی آبرو کوٹھہ خانوں کی زینت بنانا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا سماجی اور معاشرتی مسئلہ ہے جو ہمارے سماج میں برقرار ہے۔ سماج میں بحیثیت ایک بیوی اپنے سسرال آتی ہے تو اس کی آؤ بھگت میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی۔ گھر کے افراد اس سے بڑی بڑی توقعات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ توقعات انسانی نفسیات میں ایک فطری امر ہے۔ جب عین وقت پر اسے اپنی امیدیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں تو وہی لوگ جو کل تک اس عورت کو ناز برداریاں سمجھتے تھے اب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ گھر کے لوگ شاید یہ نہیں جانتے کہ عورت اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتی۔ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ یہ تو نظام قدرت ہے۔ جس کے آگے انسان کیا فرشتوں اور جنوں کی نہیں چلتی۔ یہ تو خدا کی ذات پر منحصر ہے۔

اس سے یہ سماجی نقطہ سامنے آیا ہے کہ مرد اگر اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتے تو اس کے سامنے کئی راستے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی جنسی تکمیل کے لئے آزاد ہے اور بغیر روک ٹھوک کے وہ اپنی جائز و ناجائز خواہشات کو پورا کرسکتا ہے۔لیکن اس کے برعکس عورت اپنی سماجی حدود میں مفید مردوں کی طرح اپنی خواہشات اور جذبات کو آزادانہ طور پر تسکین نہیں دے سکتی ہیں۔ کیونکہ ہمارا سماج ان کی جانب سے چشم پوشی کرتا ہے۔اور جانبداری کا سلوک روا رکھتا ہے۔اس صورت حال میں سماجی ڈھانچہ کا توازن باقی رہے۔

عصمت چغتائی نے جنگلی کبوتر میں سماجی و ثقافتی زندگی کے مدو جزر جنسی اور شہواتی تناظر کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔جنگلی کبوتر ایک ایسا سماجی ناول ہے۔جس میں عصمت نے بالخصوص بانجھ عورت کی ایک ایسی مثال پیش کی ہے جو شوہر پرستی اور وفا شعار ہونے کے ساتھ ساتھ جذبۂ ایثار بھی رکھتی ہے۔اس کے علاوہ ایک دل پھیک شہرت پرستی انسان کی محترک تصویر بار بار آنکھوں کی سامنے گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔اس طرح کی نظیر کوئی نہیں۔مگر ہمارے سماج میں یہ ایک مسئلہ بن چکا ہے۔ جس کا ازالہ اس کے پرآشوب دور میں ناممکن نظر نہیں آتا۔عصمت نے اس سماجی نکتہ کو پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عورت خواہ کسی روپ میں سماج میں ہو وہ اپنی فرضی شناسی کو بھی فراموش نہیں کرتی۔عصمت عورت کو ایک ایسی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی ہیں جس میں وہ مجموعی طور پر خود مختار ہو۔اس پر سماجی پابندیاں جو صدیوں سے نافذ ہیں۔ان کا مکمل خاتمہ چاہتی ہیں۔ یہ ناول سماج کے رہنے والے لوگوں کی کہانی ہے۔باندی عصمت چغتائی کا ایک ایسا ناول ہے جس سے نوابوں کے رہن سہن۔ان کے محلوں کے آداب نواب زادوں کے جنسی رشتوں کے بارے میں واقفیت حاصل کراتا ہے۔

کسی بھی تہذیب و ثقافت کے خصوصیات اور اس کے مختلف النوع پہلو کو سمجھنے کے لئے ضرورت

اس بات کی بھی ہے کہ اس میں عورتوں کی سماجی اور معاشرتی حیثیت کا علم حاصل کیا جائے۔ اٹھارویں صدی کا سماج جاگیردارانہ نظام پر قائم تھا۔ جس میں عورتوں کے مقابل مردوں کو فضیلت و برتری حاصل تھی۔ عورتوں کو ہر حال میں اقتصادی طور پر مردوں کا ہی دست نگر بن کر جینا پڑتا تھا۔ بیٹی کی شکل میں عورت، والد اور شریک حیات کی شکل میں خاوند اور ماں کے روپ میں بیٹے پر منحصر رہتی تھی۔ لڑکیوں کو بچپن سے ہی بزرگوں کی عزت کرنے کے لئے بتاتے ہیں۔ تاکہ سماج میں ہر طرح سے مقابلہ کر سکے۔ یہ سب اس لئے سکھایا جاتا ہے کہ ان لڑکیوں کو شادی کے بعد کیسی زندگی گزارنی ہے۔ شوہر صرف مجازی خدا ہوتا ہے تاکہ وہ فرماں برداری کرتی رہے۔ دوسرے یہ کہ مذہبی تعلیم جوان کو دی جاتی تھی اس سے وہ سسرالی زندگی کو خوشگوار بنا سکیں۔

عصمت چاہتی ہیں کہ ایک مہذب سماج میں عورت کی سماجی حیثیت کا تعین ہو۔ اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آتی رہیں۔ جب نوابوں کا زمانہ عروج پر تھا تو عورتوں کی حیثیت اس طرح کی تھی کہ عیش پرست نوابوں کے بستروں کی زینت بنی۔ یعنی عورت کو نوابوں نے ایک نئے انداز کا کھلونا سمجھا۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے بعد اس سے اس طرح نظریں پھیر لیں جیسے کبھی اس سے واقف ہی نہ تھے۔ آگے چل کر یہی لڑکی محل کی باندی یا کنیز کی حیثیت سے جانی جاتی۔ یہ باندیاں مجبور اور بے بس غربت کی زندگی بسر کرنے والی عورتیں تھی۔ جنھیں چند سکوں کے عوض ان کے والدین دربار میں پیش کیا کرتے تھے۔ یہ مجبور اور بے بس لڑکی نواب زادوں کی شرمناک اور نازیبا حرکتوں کا روز ہی سامنا کرتی۔ اور اپنی اس نوعیت کی زندگی پر اپنے آپ کو لعن طعن کیا کرتی۔ اس طرح باندیاں نواب زادوں کی جنسی ہوس کا شکار بنتی۔ ہر چند کہ نواب زادوں کی ایک منکوحہ بیوی بھی ہوتی تھی مگر کچھ ایسے بھی نواب زادے ہوتے تھے جن کی شادیاں نہیں ہوئی تھیں۔ وہ باندیوں سے جنسی تعلقات قائم کرنے کو زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ کم عمر کی باندیوں کی دربار میں بڑی عزت ہوتی۔ لہٰذا جو نواب زادے نوعمر

ہوتے ان کی خدمت میں یہ باندیاں پیش کی جاتی تھیں۔ باندیوں کو دربار میں لانے کے لئے باقاعدہ گماشتہ ہوتے اور وہ غریب اور مفلس لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان کو دربار میں لایا کرتے۔ (باندی یا دوسرے الفاظ میں مدخولہ عورت کی دوزخ نواب زادوں کے آباواجداد سے چلا آرہا تھا)۔ اس لئے اس رواج کو ختم کرنے میں دقت پیش آرہی تھی باندیوں کے ساتھ نوابوں کا تعلق ایک منکوحہ بیوی سے کچھ کم نہ ہوتا۔ باندیوں سے اولادیں ہوتی اور پھر وہی روزمرہ کی طرز زندگی کا سامنا ئی عمر کی باندیوں کے ساتھ ہوتا۔

اٹھارہویں صدی میں جاگیردارانہ نظام نے عورتوں کے ساتھ جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے وہ بڑی حد تک ناگفتہ بہہ کہے جاسکتے یں۔ اس دور میں عورت کا جس ڈھنگ سے اور جس انداز سے استحصال مردانہ سماج نے کیا۔ اس کی محترک مثال نوابی دور کے عیاشوں طبع نواب زادوں کی گھناونی کارگزاری سے مل جاتی ہے۔ آج بھی سماج میں ایسے گماشتے پائے جاتے ہیں۔ جو لڑکیوں کو ہوٹلوں اور قحبہ خانوں میں فراہم کرتے ہیں۔ یعنی عہد بدل گیا لیکن عمل کا وہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ورنہ عمل وہی ہے جو اس دور میں تھا۔ عصمت نے اس سلسلے میں سماج کے سفید پوش ٹھیکیداروں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ جو اس طرح کے عمل میں سرگرم ہیں۔ اور عورتوں کی سماجی حیثیت کو تباہ برباد کررہے ہیں۔ عصمت ایسے سماج کی تشکیل کرنا چاہتی ہیں جس میں نوابی اور جاگیردارای دور کی تاریخ دہرائی نہ جائے۔ اور ایک ایسے سماج کی تعمیر ہو جس میں لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے۔ عورتوں کے استحصال کا تصور بدلے اور عورت کو اس کا جائز مقام ملے۔ عصمت نے اس ناولٹ میں نوابوں کی جنسی گراوٹ کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ ان کی بوالہوس کا یہ عالم تھا کہ جنسی طور پر ناکارہ ہونے کے باوجود نوجوان باندیاں رکھتے تھے۔

اس ناولٹ میں کردار نگاری اچھی کی ہے۔ چونکہ وہ خود عورت ہیں اور عورت کی نفسیات کو اچھی

طرح سمجھتی ہیں۔

عصمت نے جو فلمی دنیا کے احوال لکھے ہیں۔اس میں پوری سچائی ہے۔اور جگہ جگہ ایسے الفاظ بیان کر جاتی ہیں کہ دل میں گدی گدی پیدا ہوتی ہے۔لیکن یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے۔کہ یہ ناول عوامی سطح اور عوامی نقطہ نظر کا حامل ہے۔اسے کامیاب ناول کہا جا سکتا ہے۔اس کا مرکزی کردار دھرم دیو ہے۔ جس کا تعلق فلمی دنیا سے ہے۔اس میں فلمی دنیا کی خوبیوں کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ شہرت کی خاطر یہاں پر کچھ نہیں ہوتا۔ساری فلمی ہستیاں دولت کے پیچھے بھاگتی ہیں۔یہ بھی بتایا ہے کہ جب تک ان کی شہرت کا ستارہ گردش میں آتا ہے فلمی دنیا کی ساری کائنات ان سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے۔اس ناول میں صرف حقیقت نگاری ہی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عصمت نے فلمی دنیا کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا ہے۔انھوں نے خود فلمیں بنائی ہیں۔جن میں سارے کردار کا تعلق فلمی دنیا سے ہے۔گو کہ کردار فرضی ہیں۔لیکن وہ اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔عصمت نے کردار کو فطری طریقے سے اجاگر کیا ہے۔اور اس کی نفسیاتی گتھیوں کو بھی سلجھایا ہے۔ بقول کے۔کے۔کھلر :

> ''عصمت چغتائی کا ناول عجیب آدمی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔یہ مختصر ناول فلمی دنیا کی زندگی سے متعلق ہے۔فلمی دنیا کے بعض گوشوں کو عصمت نے بہترین طریقے سے پیش کیا ہے۔عصمت کے ناولوں کی خصوصیات ان کی ژرف نگاہی ہے۔عصمت کے زندگی کے جس گوشے کو اپنے ناول کا موضوع بناتی ہیں اس کا گہرا مطالعہ رکھتی ہیں''۔[۱]

اس ناول میں کردار نگاری میں اچھی کی ہے۔اس میں عصمت نے مختلف کرداروں کو پیش کیا ہے۔بقول ذرینہ ثانی :

---

[۱] اردو ناول کا نگار خانہ، کے۔کے۔کھلر، ص ۴۹۔

''اس ناول میں مصنفہ نے مختلف کرداروں کا تجزیہ بھی خوبصورت سے کیا ہے''۔[۱]

عصمت چغتائی نے اس ناول میں ایک مخصوص شعبہ یعنی فلمی دنیا سے وابستہ رہنے والوں کی زندگی کے کچھ پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہندوستان کی زیادہ تر آبادی سمجھتی ہے کہ فلمی دنیا سے وابستہ افراد کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ وہاں غریبی ایک اہم پہلو ہے۔اس ناول کے مطالعہ سے فلمی دنیا کی اوجھل زندگی سامنے آجاتی ہے۔عصمت کے ذہن میں جو واقعات آتے ہیں۔ انھوں نے فلمی دنیا کی کسی بھی حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ بلکہ انھوں نے حقیقت نگاری کی غیر معمولی مثال پیش کی ہے۔عصمت کے نزدیک حقائق کو پیش کرنا ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح اس ناول میں بھی اپنے حقیقی نقطہ نظر کو واضح کیا ہے۔

ایک قطرۂ خون عصمت چغتائی کا آخری ناول ہے۔جس کا موضوع واقعات کربلا ہے۔اسے عصمت کے خصوصی میلانات سے ہم آہنگ نہیں کیا جاسکتا۔اس کے علاوہ اور کوئی ناول مذہب پر نہیں لکھا گیا۔صرف یہی ایسا ناول ہے جو مذہب پر لکھا گیا۔عصمت کو تمام مذاہب سے دلچسپی رہی ہے۔ اس ناول میں عصمت نے انسانیت اور مذہب کو ہم مرتبہ دیا۔واقعہ کربلا کو انھوں نے مذہب سے متعلق ہی نہیں لکھا ہے بلکہ اسے انسانیت ہی کا مسئلہ سمجھتی ہیں۔کربلا ایسی جگہ ہے جس میں گناہ کو ہار ملتی ہے اور اچھائی کو کامیابی ملتی ہے بقول سید علی حیدر :

''ایک قطرہ خوں عصمت چغتائی کا تازہ ترین ناول ہے۔ جو حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ یہ ناول کئی اعتبار سے ان کے دیگر ناولوں سے مختلف حیثیت کا مالک ہے۔عصمت چغتائی نے ایک قطرۂ خوں لکھ کر کربلا کے سلسلے کے ناولوں میں ایک اضافہ کیا ہے.....ایک قطرہ خوں کے واقعات براہِ راست تاریخ

---

۲ شاعر، بمبئی، عصمت چغتائی کا ناول، عجیب آدمی، ڈاکٹر زرینہ ثانی۔ص ۲۶۔

سے نہیں لئے گئے یں۔ بلکہ اردو کے مراثی خصوصاً میر انیس کے مرثیوں سے
مستعاد ہیں۔ جس کا عصمت نے واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔'' [۱]

بہر حال اس ناول کا مطالعہ نہ صرف مذہب سے کرنا چاہئے اور نا اسے مورخ کی نظر سے دیکھنا ہے۔ بلکہ اسے ایک عظیم انسان کا کردار سمجھنا چاہئے۔ جس نے حق کی بلندی کے لئے کربلا میں اپنی ایک ایسی یادگار چھوڑی ہے جسے دنیا حق و باطل کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اس ناول کو ناول کے فن پر نہیں پرکھنا چاہئے۔ کیونکہ حضرت امام حسین کو ایک مذہبی شخصیت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ لہٰذا عصمت کا جو اسلوب ملتا ہے وہ متعدد ناولوں او افسانوں میں ان کی پہچان ہے۔ اسے انسان ایک تحفہ سمجھے۔

دراصل عصمت کے یہاں فرائڈ کا اثر بھی ہے اور مارکس کا بھی۔ جہاں انھوں نے انسانی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اس کا تجزیہ کیا ہے۔ وہاں وہ فرائڈ سے متاثر ہیں۔ لیکن جب انھوں نے اس فرد کو سماج کے چوکھٹے کے اندر دیکھا ہے اور اس کی خارجی زندگی کو پیش کیا ہے وہاں ان کا شعور مارکس سے متاثر ہو کر تشکیل پاتا ہے۔ غرض کہ ان کے افسانوں میں دونوں نظریات ہم آہنگ ہو کر سامنے آتے ہیں۔ عصمت کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ ایک ہی قسم کے موضوع کو طرح طرح سے ڈھالتی ہیں۔ طرز اس قدر الگ الگ ہوتا ہے کہ ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ چیز پرانی ہے یا نئی۔ موضوع کی یگانگت کے باوجود افسانوں میں تنوع ہوتا ہے۔ مولانا صلاح الدین احمد نے ''کانیت' کو عصمت کی سب سے بڑی خوبی بتایا ہے وہ بات کہہ کر گزر جاتی ہیں۔ لیکن پڑھنے والے کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں:

''انھوں نے نوجوان لڑکوں بوڑھی عورتوں اور زن مرید شوہروں اور جنتی

---

[۱] اردو ناول سمت و رفتار، ڈاکٹر سید علی حیدر، ص ۱۷۶-۱۷۴۔

بیبیوں کی بڑی کامیابی مصوری کی ہے ان کے یہاں ڈرمائی کیفیت قصہ پن کردار نگاری ہے۔ مکالموں کی نفاست اور خوبصورتی نمایاں ہے۔ مگر انھوں نے جو گھریلو با محاورہ جاندار اور رچی ہوئی زبان استعمال کی ہے اس کی جدید افسانوی ادب میں اور کوئی نظر نہیں''۔ [۱]

زبان عصمت کو ورثے میں ملی ہے۔ اور وہ اس کو عورت کی فطری تیز رفتاری کے ساتھ استعمال کرتی ہیں۔ ہمیں ان کے افسانوں میں عورت کا حال عورت کی زبان میں پڑھنے کو ملتا ہے۔ وہ نفسیاتی الجھنوں پر مبنی اسباب کو بڑی چابکدستی سے پیش کرتی ہیں۔ ممتاز شیریں نے صحیح لکھا ہے کہ عورت کے جنسی جدید جنسی اٹھان ارتقاء اور نفسیات کو کوئی ترجمانی شاید ہی مل سکے۔ عصمت نے بے برکانہ جرأت سے عورت کو پہلی دفعہ اصلی پیش کیا ہے شکل میں اس لئے عصمت کو ہمارے ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

عصمت کے افسانے واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے اخلاق کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہیں۔ انھوں نے یو پی کے متوسط طبقے کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے اس میں جو پیچیدگی اور گھٹن ہے اسے بڑے لطیف اور ہلکے پھلکے نشتر زنی انداز میں پیش کیا ہے۔ اگر اس میں ہلکی پھلکی رومانیت ہے۔ تو یہ بھی اس معاشرے کی دین ہے۔ انھوں نے عورتوں کی زبان کو علیحدہ سے پیش نہیں کیا۔ بلکہ اس میں تہذیبی پس منظر کا کام لیا۔ وہ افسانہ کے فن اور اس کی تکنیک سے اچھی طرح واقف ہیں۔ بے ساختگی اور روانی نے ان کی تکنیک کو خاصا متاثر کیا۔ ان کے یہاں معنویت اور مقصدیت ہے۔

عصمت نے زندگی کے چھوٹے مگر اہم واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ غیر شعوری طور پر ان کی مدد سے اپنے کردار ڈھالتی ہیں۔ عصمت کے موضوعات یقیناً گنے چنے ہیں۔ وہ

---

[۱] تنقیدی اشارے، پروفیسر آل احمد سرور، ص ۴۳۔

ایک چھوٹے سے دائرے میں رہ کر افسانے لکھتی ہیں۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ پچھلے دنوں انھوں نے اپنے اس دائرے کو اور آگے بڑھایا ہے۔ وہ درمیانی طبقے کے مسلمان گھرانوں سے نکل کر بمبئی کی فلمی دنیا کو بھی اپنے احاطے میں لینے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ ان لڑکیوں کے مسائل ان کی نفسیاتی اور جنسی الجھنوں کو بھی پیش کرتی ہیں۔ جنھوں نے اپنے اپنے اس محدود مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تن من کی دولت لگا دی وہ لڑکیاں فلمی ہیروئین کی طرف بھاگ گئی۔ اور ان سے قربت حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہیں۔ لیکن ان افسانوں میں وہ بات نہیں جو ان کے افسانے چوتھی کا جوڑا میں ہے۔ یہ بڑا دردناک افسانہ ہے اور اردو افسانوی ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں۔

> ''عصمت نے اس دور میں ایک عظیم کہانی لکھی ہیں چوتھی کا جوڑا یہ بڑے سلیقے سے لکھا ہوا ایک مرثیہ ایک عظیم تمدن کا مرثیہ جس میں مسلمانوں کے متوسط طبقے کا ایک نمائندہ مسئلہ بڑے خوبصورت تجزیے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ کبریٰ کی ماں اور حمیدہ معصوم کردار ہیں لال ٹول پر سفید گزی کے نشان اور ٹپکتے پراٹھوں کی چھوٹی چھوٹی مسرتوں سے خوش ہو سکی ہیں۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی مسرت وہی ہے کہ کس طرح کبریٰ کے کھردرے ہلدی دھنئے کی بساند میں سڑے ہوئے ہاتھوں میں مہندی بن جائے۔ عصمت کی کہانی ہندوستانی مسلمانوں کے ہر ایک گھرانے کی کہانی ہے۔ جو ہماری دیواروں میں پیدا ہوتی ہے اور ہمارے گھروں میں پلتی ہے''۔[۱]

عصمت نے اس روایتی معاشرے کے پرکھچے ادھیڑے ہیں۔ انھوں نے اس کی کمینگی کا پردہ چاک کیا ہے۔ اب یہ کمزور روایتی معاشرے کا ساتھ نہیں دے سکی۔ عصمت نے بڑی بے باکی اور

---

[۱] ادبی تنقید، ڈاکٹر محمد حسن، ص ۱۱۳۔

جرأت کے ساتھ ان پردوں کو فاش کیا ہے جو ان کے جنسیاتی بے باکی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اس پر شروع میں کافی لے دے بھی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ جنسی شعور کوئی منفی قوت نہیں ہے سامنتی نظام نے اس کو بازاری اشیاء کی شکل دے دی ہے۔ اور ہم اس کے مثبت پہلو کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ دنیا کا بہترین ادب جنسیاتی جذبے کا اثر قبول کرتا رہا ہے اس لئے عصمت کے افسانوں میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ عصمت کے دور اول کے افسانوں میں ہم کو عنفوان شباب کی کرب انگیز لذت ملتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ رمزیت اور طنزیاتی انداز بھی ہے۔ جو بڑے بھیدوں کو بے نقاب کرتی ہے عصمت کا طنز بھرپور ہوتا ہے۔

لحاف عورتوں کی نفسیاتی اور جنسی الجھن کا شاہکار افسانہ ہے۔ انھوں نے اس کہانی میں اپنے نفسیاتی المیے کو پیش کیا ہے۔ جو بے جوڑ شادی کا نتیجہ ہے۔ پختہ عمر کے نواب جنسی لحاظ سے ناکارہ نہیں۔ بلکہ جنسی تسکین کے لئے غیر فطری طریقے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی بیوی کے بجائے بیگم جان سے بھی اپنی جنسی تسکین کے لئے غیر فطری طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ بیگم جان گھریلو ملازمہ ربو کے ساتھ ہم جنس پرستی کی لعنت کا شکار ہو جاتی ہیں اس میں نفسیاتی الجھن ذہنی پیچیدگی اور داخلی الجھن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نواب صاحب کا نوجوان لڑکیوں کے ساتھ طوالت میں ملوّث ہونا اور بیگم جان کا نوکرانی ربو کے ساتھ جنسی خواہش کی تسکین نہ صرف فرائڈ کے نظریئے کی تائید کرتی ہے بلکہ علم نفسیات کی تفہیم میں ایک نئے باب کا اضافہ بھی کرتی ہے۔ اس افسانے میں پہلی بار عورت کا بے باکانہ طور پر اپنی جنسی نفسیاتی اور جذباتی زندگی کے احساسات کی کیفیت کا اظہار دکھایا گیا ہے اور ادب کے نقادوں نے ان پر فحش نگاری کا الزام لگایا۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن :

> ''عصمت چغتائی سے پہلے کسی بھی خاتون اپنے داخلی تجربات جنسی آرزو مندی اور جذبات کے والہانہ پن کو ظاہر کر کے رسوائی مول لینا پسند نہیں کیا تھا''۔ [۱]

---

[۱] ڈاکٹر محمد حسن، عصری ادب، خواتین نمبر، دہلی ۱۸۔

عصمت چغتائی نے اس افسانہ میں عورت کی نفسیات کا تجزیہ کر کے اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی ہے جو جنسی مسائل اور ذہنی الجھن کا سبب بنتے ہیں۔ خاص کر ایسا معاشرہ عورت اور مرد کے درمیان ایک گہری خلیج مائل کرتے۔ اس افسانہ میں عصمت نے لوگوں کا رجحان اس طرف مائل کیا ہے کہ ضبط و قابو صرف عورتوں ہی کے لئے کیوں مرد اگر چیخ سکتا ہے تو عورت بھی کراہنے کا حق رکھتی ہے۔ عصمت چغتائی نے لحاف میں نفسیاتی اور جنسی مسائل کو پیش کیا ہے اس کہانی کے لکھنے کا مقصد عورت کی آزادی ہے۔ مختصراً یہ کہ دولت و ثروت کی فراوانی کی وجہ سے جو غلیظ عادتیں مرد اور عورت میں سرایت کر جاتی ہیں۔ ان کا بہترین نفسیاتی تجزیہ لحاف میں ملتا ہے۔

جڑیں ان کا ایسا افسانہ ہے جو سماجی، اقتصادی اور طبقاتی کشمکش سے ہٹ کر ایک ایسے مسئلہ کی طرف ہمارا ذہن راغب کرتا ہے جہاں ہم آج بھی اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ عصمت نے اس افسانہ میں وہی اسٹائل اپنائی ہے جو ان کے عام افسانوں میں بدرجہ اتم موجود ہے اس افسانہ میں انھوں نے تقسیم ہند اور اس کے بعد رونما ہونے والے فرقہ وارانہ مسائل کو بڑے فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کیا ہے اس افسانہ میں ایک ایسے خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے جو تقسیم کے بعد اپنے آباد گھر چھوڑ کر پاکستان کی جانب کوچ کر جاتا ہے اور بھرا ہوا گھر سنسان اور ویران ہو جاتا ہے یوں تو گھر چھوڑنے کا احساس سب کو ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ احساس بوڑھی ماں کو ہوتا ہے اس کی شدید خاموشی سے اس کے اندر کے کرب کو بخوبی اندازہ ہوتا ہے روپ چند اس کا پڑوسی ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اسے بھی پڑوسیوں کے چلے جانے کا بے حد افسوس ہے اس سے رہا نہیں جاتا۔ آخر کار ان کے قافلے کو واپس لے آتا ہے۔ دو فرقوں کے درمیان بہت اخلاص اور یگانگت کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ قابل دید منظر پیش کرتی ہے جذبات کی عکاسی جس مؤثر اور فطری انداز میں کی گئی ہے وہ عصمت کی فن کارانہ صلاحیت کو اجاگر کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر صدق:

''جڑیں میں عصمت چغتائی نے بوڑھی ماں اور پنڈت جی کی کرداروں کے ذریعہ متوسط طبقے کے دو ہندو مسلم گھرانوں کی یگانگت اور محبت کو بے حد فطری اور موثر انداز میں بیان کیا ہے''۔[۱]

اس افسانہ کے مطالعہ کے بعد قاری کو اس بات کا احساس شدت سے ہوتا ہے کہ عصمت کے دیگر افسانوں کے مقابلے جڑیں میں ان افسانہ میں عصمت اپنے سیکولر نظریات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔اان کا سیکولرزہن روپ چند اور بوڑھی اماں کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

عام طور پر عصمت چغتائی اپنے افسانوں کے ذریعہ انسانیت اور اشتراکیت کے اصول و نظریات کو فروغ دیتی نظر آتی ہیں۔اور یہی ان کا بنیادی شعور بھی رہا ہے۔لیکن جڑیں میں ان کے اصول ونظریات کھل کر سامنے آتے ہیں۔یعنی وطن دوستی اور ہندو مسلم اتحاد کا جذباتی پہلو وہ بڑے شاندار ڈھنگ سے پیش کرتی ہیں۔وہ تقسیم ملک کو ایک غیر دانشمندانہ فعل قرار دیتی ہیں۔اس افسانہ کی تخلیق کا محرک ان کا یہی نظریہ ہے۔کرداروں کی جذباتی پیش کش اور ان کی زبان فن افسانہ نگار کو ایک نئی جہت سے روشناس کراتا ہے۔مجموعی طور پر جڑیں عصمت کے سیکولر اصول ونظریات اور اشتراکیت کا ترجمان کہا جاسکتا ہے۔

گیندا عصمت چغتائی کا ایسا افسانہ ہے جو عصمت چغتائی جیسی حساس اور دردمند فن کار ہی لکھ سکتی تھیں۔ایک عورت کے نازک ترین جذبات واحساسات کی ایسی جاندار ترجمانی ایک عورت کے ہی بس کی بات تھی۔یہاں فن کو عورت اور مرد کے تعلق سے دو خانوں میں بانٹنا مقصود نہیں۔مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں ایک عورت مرد سے کہیں بہتر سمجھتی اور محسوس کرتی ہے۔عصمت کا سادھا سا افسانہ اس قدر رنج وغم اور حسرت و یاس کے جذبات سے لبریز ہے کہ قاری ہل جاتا ہے یہ افسانہ ہمارے معاشرے کے ایک بہت گھناؤنے پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔جس میں ایک غریب اور بے بس

---

[۱] ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ، ڈاکٹر صادق، ص ۲۲۵۔

معصوم بچی کا جنسی استحصال اس قدر مستور اور ڈھکے چھپے انداز سے ہوتا ہے کہ حرف شکایت کے طور پر کوئی لب وا نہیں ہوتا۔ کوئی انگلی نہیں اٹھتی کوئی قانون یا لاقانونیت دیکھ کر حرکت میں نہیں آتا۔ اور معاملہ یوں رفع دفع ہو جاتا ہے گویا کبھی ہوا ہی نہ ہو۔

اس افسانے میں انھوں نے ایک بچی کے احساسات و جذبات حرکات وسکنات اور اس کی خواہشات کا نقشہ بالکل فطری انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ بڑی بہنوں کی شادی بیاہ اور عشق مہبت کے متعلق گفت وشنید کو چھپ چھپ کر سنتی ہے۔ اور خود بھی اپنے دل میں ویسے ہی جذبات اور شادی کرنے کے نیز عشق ومحبت کی آرزو رکھتی ہے یعنی دلہن بننے کا خواب، سندور پینا و مانگ بھرنا وغیرہ وغیرہ۔

یہ افسانہ نہ صرف غریب اور امیر کے تضاد اور تفریق کو نمایاں کرتا ہے بلکہ یہ مرد کی بالادستی اور عورت کی زبردستی کو بھی آشکار کرتا ہے۔ یہ مرد کے سماج پر تسلط، عورت کے استحصال اور بے قدری کو بھی نمایا کرتا ہے۔ ایسے معملات میں عورت ہمیشہ طعن وتشنیع کا نشانہ بنتی ہے۔ اور عمر بھر کے لئے ملعون اور معطون قرار دی جاتی ہے گویا اس کا عورت ہونا ہی اس کے جرم اور گناہ کو جواز بن جاتا ہے وہ وارسی کے لئے فریاد کرتی رہتی ہے اور بالآخر صبر وشکر کر کے اپنے مقدر پر قانع ہو جاتی ہے۔

عصمت چغتائی نے بچوں کے حرکات وسکنات اور ان کی نفسیاتی کیفیات کی عکاسی بڑی فن کارانہ انداز میں کی ہے۔ بچوں کا کردار ضفا آفرینی منظر نگاری اور بیانیہ انداز میں یعنی ہر اعتبار سے عصمت نے اس افسانہ میں افسانوی ادب کی حملہ تکنیکوں سے موقع بہ موقع کام لیا ہے۔ اور اسے اپنے مخصوص انداز میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس افسانہ کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی پہلو کو عصمت نے کئی زاویوں سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عصمت کی نثر تخلیق ہے انھیں نسوانی زبان ومحاورے پر مکمل طور پر عبور حاصل ہے۔ ان کا اپنا طرز بیان ہے۔ اس میں دلکشی بھی ہیں اور کشش بھی ہے۔ عصمت کے جملے چھوٹے ہیں۔ ان میں کوئی

فلسفیانہ موشگافی نہیں ہوتی۔لیکن اس کے باوصف اس میں تاثیر ہوتی ہے۔سوچنے کے لئے کچھ ہوتا ہے ان کے فقرے بڑے چست اور چبھتے ہوئے ہوتے ہیں۔عصمت مکالموں سے بھی بڑے بڑے کام لیتی ہیں۔اس کی مدد سے انھوں نے صداقت رنگینی اور تفریح کی ملی جلی ضفا پیدا کی ہے۔

عصمت کے یہاں بے باکی جرات رندانہ اور عمل جراحی کا جو عمل ملتا ہے وہ انگارے کی یاد دلاتے ہیں۔انھوں نے جنسی حقیقت نگاری کی نہ صرف ابتداء کی بلکہ جم کر اس موضوع پر لکھا۔کیونکہ وہ اس خیال سے متفق تھی کہ جنسیات زندگی کی ایک اہم بنیاد ہے۔اور لاشعور زندگی جنسی لذانیت کے ان تجربات سے معمور ہے جو آدمی خاص طور پر اپنے بچپن کے پہلے سال میں مختلف طریقوں سے حاصل کرتا ہے۔عصمت جنسی حقیقت نگاری کا کوئی پہلوں نہیں پیش کرتی۔ بلکہ متوسط گھرانوں اور خاص کر مسلمان بچے اور بچوں کی گھٹی گھٹی کیفیت کو پیش کرتی ہیں۔ پردے کے اندر ہونے والے بے شمار جنسی جرائم کو وہ اس لئے منظر عام پر نہیں لائی کہ پڑھنے والا حظ اٹھائے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک صحت مند زندگی گزارنے کے فطری طریقوں کو اپنانے کے متعلق اور غور وفکر کرنا چاہئے۔عصمت اگر عورت نہ ہوتیں تو ان کے مجموعوں میں بھول بھلیاں، تل، لحاف، گیندا جیسے نازک اور ملائم افسانے کبھی نظر نہ آتے۔لیکن ان افسانوں کو وہ کچھ اس طرح پیش کرتی ہیں کہ مردوں کے دل میں جگر چھلنی ہو جاتے ہیں۔ان کے مطابق روحانی اشاروں کی منزل مقصود انسان کا ضمیر ہے۔جس کے ساتھ وہ عورت کسی انجان یا ان بوجھی فطرت سے بغل گیر ہو جاتی ہے۔عصمت نے جس دور میں افسانے اور ناول لکھے وہ نئی نسل کی ذہنی جنسی اور معاشی الجھنوں کا دور تھا۔اور عورت برسوں کے جنسی استحصال سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔عصمت کے افسانوں میں دو رجحانات ملتے ہیں ایک تو جنسی زندگی کے لئے ایسے پہلوں جن کی کوئی سماجی اہمیت نہیں۔دوسرے وہ جو انھوں نے متوسط طبقے کی نوجوان لڑکیوں کے جنسی مسائل کے لئے لکھے۔

عصمت کے فن کا خاص نمایاں پہلوں سماجی حقیقت کا ہے جو عصمت کی افسانوی زندگی میں اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے متوسط طبقے سے نیچے اتر کر مزدوو دھوبیوں، چماروں، اور ایسے دوسرے لوگوں کی زندگی کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے سیاسی اور سماجی زندگی کی روشوں کو سمجھا ہے اس لئے ان کے یہاں گہرائی ہے۔ جذبے میں شدت اور تیزی ہے۔ اس لئے ابھی تک اردو کی کوئی دوسری خاتون افسانہ یا ناول نگاران کے مقابلے میں نہیں آسکی۔

عصمت کو اپنے فن سے زیادہ کوئی اور چیز عزیز نہیں تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنے فن سے بہت لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ وہ اخلاقی فیصلوں کی پابندیوں سے بے نیاز ہوکر سچ بات کو جیسا دیکھتی ہیں ویسا ہی لکھ دیتی تھیں۔ اور اس صاف گوئی میں کبھی بے رحمی اور بے دردری سے کام لینے میں بھی انھیں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حق کے اظہار کے لئے انھوں نے بہت سے شدید حربوں سے کام لیا۔ عصمت نے سماج کے چہرے سے وہ نقاب اٹھائی۔ جو اپنے قانون کو قدرت کے قانون سے زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ جنسی نگاری کو عصمت کی نہ تو خوبی کہا جاسکتا ہے۔ اور نا خامی یہ دراصل ان کی خصوصیت ہے۔ وہ اپنے رجحان طبع کی بنا پر ایسے گوشوں کو پڑھ لیتی تھیں جس سے دیگر مصنف محروم رہتے تھے۔

منٹو کی طرح عصمت کی شہرت یا بدنامی جنسی نگاری کی بدولت ہوئی۔ نقادوں نے انھیں عریان نگاری کی بنا پر جی بھر کر ملعون کیا۔ دوسرے جانب ان کے مداحوں اور طرفداروں نے ان کی حمایت میں مضامین لکھے۔ اور جنسی نگاری بلکہ عریاں نگاری کو جائز قرار دیا۔ جنسی ادب میں جو چیز سانتی پرستاروں کو کھٹکتی ہے۔ وہ اس کی بے باکی اور آزادی ہے جو نئے ادیب نے آداب کو توڑ کر حاصل کی ہے اور جسے وہ کسی قیمت پر کھونے کے لئے تیار نہیں۔ جس طرح عصمت نے جب بے باکی اور جرأت کے ساتھ ان پردوں کو فاش کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی ہمارے ادب میں بے حد کمی تھی۔ مجنون عصمت کی جنسیاتی بے باکی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ ان کے فن کو اشاریت کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ

عصمت کا فن بھی تحت الشعوری ہے۔ عصمت منٹو اور دوسرے ادیبوں کی عریاں نگاری کی بعض ترقی پسندوں نے طرح طرح کی خوبصورت ناولیں پیش کرنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن کسی نے اسے حقیقت نگاری کا نام نہ دیا۔ گویا مخالفت کا سیلاب بھی کسی طرح نہ رک سکا۔ اور اس بنا پر ترقی پسند تحریک بدنام ہونے لگی۔ چنانچہ ان کے علمبرداروں نے پہلے دے الفاظوں میں کھلم کھلا مخالفت شروع کی۔ بقول خلیل الرحمٰن اعظمی :

> ''عصمت کی نثر اپنے اندر بے ساختگی اور تیکھے پن کے علاوہ ایک تخلیقی جوہر رکھتی ہے۔ عصمت انشا پرداز نہیں لیکن صاحب طرز ہیں۔ ان کا طرز ناول اور افسانے کے لئے موزوں ترین طرز ہے اور اس میں دلکشی اور کشش ہے۔ جس کا مقابلہ اور کوئی افسانہ نگار نہیں کرسکتا۔ ان کے افسانوں سے لغت میں بے شمار نئے الفاظ نئے محاورات اور نئی علامات کا اضافہ ہوا ہے۔ جو محض عورتوں کی معاشرتی سے تعلق رکھتے ہیں یہ الفاظ بارہا سنے ہوئے ہیں لیکن انھیں پہلی بار اردو افسانے میں دیکھ کر ان میں چھمس ہوئی تخلیقی قوتوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہ عصمت کا ایسا کارنامہ ہے جو اردو کے افسانہ نگاروں میں ان کی انفرادیت کو معین کرتا ہے۔'' [۱]

عصمت کے بعد جو خاتون افسانہ نگاری اور ناول نگاری میں ابھریں۔ ان پر عصمت کے اثرات بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان خاتون افسانہ نگاروں یا ناول نگاروں میں عصمت کی سی تیزی اور فن کارانہ صلاحیت و مہارت نہیں ہے۔ اور جنسی جذبات نگاری میں جان پیدا کردیتی ہیں۔ عصمت کی فکشن نگاری کے تنقیدی جائزے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انھوں نے فکشن نگاری کو ایک نئے مزاج اور ایک نئی فکر سے روشناش کرایا۔ عصمت نے پہلی بار مسلم متوسط گھرانوں

---

[۱] اردو میں ترقی پسند اردو تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی، ص ۲۳۵۔

بالخصوص یو۔ پی۔ کے مسلم گھرانوں کی بے چینیوں کے مصوری کی ہے اور ملک کے جیتے جاگتے ماحول کو حقیقی انداز میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے تا کہ ہماری نظریں تیزی کے ساتھ ان احساسات تک پہنچ جائیں۔

عصمت نے جہاں کرداروں کو ایک صحت مند اور انسانی صفات کو اعلیٰ قدروں سے متعارف کرایا ہے وہیں ان میں غیر معمولی صداقت کی عکاسی بھی کی ہے۔ اس عکاسی میں ظاہر ہے کہ اس وقت تک کوئی شدت نہیں ہوگی جب تک اس میں بے باکی اور برجستگی کا اظہار نہ ہو۔ ایسی صورت میں عصمت نے حقیقت نگاری میں تندی و تیزی اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ بے تکلفانہ انداز ان کے فنی اوصاف کی دلیل ہے۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو ان کو دیگر افسانہ نگاروں کے مدمقابل امتیازی حیثیت عطا کرتے ہیں۔

عصمت کا اسلوب بھی ناول اور افسانے کی روایت میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ ان کا اسلوب اپنی شوخ انفرادیت کے سبب بہت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ شوخی کے ساتھ ساتھ نزاکت، وسعت اور تہہ داری جیسے عناصر کو ساتھ رکھ کر عصمت نے اپنے اسلوب کو خوب سے خوب تر بنا کر پیش کیا ہے۔ اسلوب کی یہ خوبی انھیں اپنی اس انفرادیت کے سبب بھی حاصل ہوئی جسے ہم ذہانت اور طباعی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ یہ مواد انھیں دراصل متوسط طبقے کی خواتین کی شائستہ گفتگو سے ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عصمت کے خیالات کے منفرد امتیازات ہیں اسی طرح ان کا اسلوب بھی اپنا ایک علیحدہ امتیاز رکھتا ہے۔ اسلوب کی بنیاد زبان پر ہوتی ہے اگر زبان پھس پھسی ہوگی تو اسلوب بھی متوازن نہیں رہ سکتا۔ عصمت کا اسلوب زبان کا مرہون منت ہے کیونکہ عصمت کی جو زبان ہے خوشہ چینی کے جذبہ سے پاک ہے اور پھر اس کا استعمال جس انداز سے وہ کرتی ہیں وہ بالکل انوکھا ہوتا ہے۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ عصمت کا موضوع اور اسلوب دونوں تقلیدی رنگ سے ہٹ کر

ایک جداگانہ نوعیت کے حامل ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو فکشن کی عمر اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن اسے وقیع اور پروقار بنانے میں جن معماروں کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا ان میں عصمت چغتائی کا نام بھی سرفہرست شامل ہے۔

✦✦✦

باب پنجم

منتخب افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ

(لحاف، دو ہاتھ، گیندا، چھوٹی آپا، چوتھی کا جوڑا
جڑیں، بھول بھلیاں، نفرت، جوانی، سونے کا انڈا
کلو کی ماں، بے کنڈے کی پیالی، بیمار، نوالہ)

منتخب افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ

لحاف

لحاف عصمت چغتائی کا شاہکار افسانہ ہے۔ جس کا موضوع عورتوں کے جنسی مسائل پر ہے۔ عصمت چغتائی نے عورتوں کے جنسی مسائل پر بہت غور کیا ہے۔ اور ان کے مسائل کے بارے میں بہت اچھا لکھا ہے۔ انھوں نے ان عورتوں کے بارے میں لکھا ہے۔ جن کے شوہر جنسی طور پر ناکارہ ہوتے ہیں۔ ان کو ایسا ماحول ملتا ہے۔ جہاں زرا سی بھی خوشی سامنے نہیں آتی وہاں صرف غم ہی غم ہوتے ہیں۔ اور ان کے جنسی جذبات کی تسکین کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے عورتیں غیر فطری راستے اختیار کر لیتی ہیں۔ عصمت چغتائی کے افسانے کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے بڑے نازک مسئلے کو افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ بقول وقار عظیم :

> ''عصمت کا بڑا اضافہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں بتایا کہ عورت کے بھی اپنے مسائل ہیں ش۔ اختر کے الفاظ میں عصمت نے اس حقیقت کو کبھی نہیں بھلایا کہ جنسی مسائل زندگی کا ایک سنگ بنیاد ہے اور تخلیق سے اس کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ عصمت نے پہلی بار میلان ہم جنسی پر لحاف لکھا۔ لحاف میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے اگر ایک نوجوان اور شریف عورت ایک ہجڑے خاوند کے پلے باندھ دی جاتی ہے وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتی ہے''۔ [1]

اس افسانے کا مرکزی کردار بیگم جان ہے۔ ان کے ماں باپ بہت غریب ہوتے ہیں۔ اور بیٹیوں کو بوجھ سمجھ کر پکی عمر کے نواب صاحب سے شادی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ دل کے بہت اچھے اور نیک انسان ہیں۔ اور بازاری عورت کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ طوائفوں کے پاس جاتے نہیں۔

---

[1] نقوش، افسانہ نمبر، اردو افسانے میں روایت اردو تجزیے (سمپوزیم وقار عظیم، ص ۱۰۳۹)۔

خود بھی حاجی ہیں۔ اور کئی لوگوں کو حج کرا چکے ہیں۔ جیسے پہلے کے نواب کبوتر پالتے تھے۔ انھیں کبوتر پالنے کا شوق بھی نہیں تھا۔ نہ تیتر لڑانے کا، نہ مرغ بازی کا، انھیں ایسے کھیل پسند نہیں ہیں۔ انھیں ایک نہایت عجیب وغریب شوق ہے۔ نوجوان گورے گورے پتلی کمروں کے لڑکے جن کا خرچ وہ خود برداشت کرتے ہیں۔

بیگم جان بالکل اکیلی رہتی تھیں۔ نواب صاحب ان کے پاس آتے تک نہیں تھے۔ بیگم بڑی بڑی منتیں مانتی ہیں۔ چلّیں باندھتی ہیں۔ ٹوٹکے کرتی ہیں۔ وظیفہ خوانی کرتی ہیں۔ لیکن کسی چیز کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔

یہ افسانہ کردار نگاری کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ کردار نگاری کسی کی شخصیت یا شخصیت کے کسی مخصوص پہلو کو افسانے کے سیاق وسباق میں یوں نمایاں کرتی ہے کہ اس کے خد وخال ابھر کر سامنے آجائیں۔ لحاف میں چار کردار ہیں۔ نواب صاحب، بیگم جان، ربو اور واحد متکلم جو اس افسانے کی راوی ہے۔

نواب صاحب کا کردار بہت کم ہے وہ کہیں کہیں کھل کر بھی سامنے نہیں آتے۔ حالانکہ انھیں منظر عام پر لانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے۔ دراصل پورا افسانہ ان کے کردار کے پس منظر میں ابھرتا ہے۔ بیگم جان بھی اس افسانے کی روحِ رواں ہیں۔ اور از اول تا آخر اس پر چھائی رہتی ہیں۔ بیگم جان نواب صاحب کی بے اعتنائی اور تغافل کی ماری ہیں۔ ان کے قلب وجگر میں وہی آرزوئیں اور ارمان کروٹیں لے رہے ہیں۔، جو ہر انچھوئی بیاہتا عورت کے من میں لیتے ہیں۔ ربو کا کردار بیگم جان کے تعلق سے خاصہ اہم ہے۔ وہ بیگم کے کردار کو استحکام عطا کرتی ہیں۔ درحقیقت بیگم کے کردار کی چکا چوند اور تام جھام ربو کے دم سے ہے۔

واحد متکلم اس افسانے کی راوی لڑکی شاید خود عصمت چغتائی ہیں۔ جنھوں نے کم تجربے میں ہی

کہانی کی تخلیق کی۔ وہ چند روز جو انھوں نے بیگم جان کی محبت میں گزارے۔ ان پر اپنی دائمی چھاپ چھوڑ گئی جب انھوں نے قلم سے لکھنا شروع کیا تو وہ لحاف لکھے بغیر نہ رہ سکیں۔ ورنہ جنس پر لکھنا اتنا آسان کام نہ تھا۔

عصمت چغتائی کا یہ افسانہ فنی اعتبار سے ایک اچھا افسانہ نہیں ہے۔ لیکن اس افسانے کی تشہیر اور سب افسانوں سے زیادہ ہوئی۔ اس افسانے کی غیر معمولی تشہیر کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ ایسے موضوع پر لکھا گیا جو اس وقت تک شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اسے ایک انوکھی اور نادر ادبی تخلیق گردانا گیا۔ پھر یہ افسانہ ایک ایسی فن کارہ کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ جو ترقی پسند تھی اور ترقی پسند تحریک سے گہرے طور پر وابستہ تھی۔ جہاں عصمت کی فن کارانہ شخصیت کو مجروح کیا۔ وہیں ترقی پسند تحریک پر بھی لے دے ہوئی۔ اس ردعمل سے عصمت کو شہرت یا بدنامی ملی۔ اور افسانے کا نام ہر شخص کے منھ پر آ گیا۔

اس افسانہ کا حسن اس بات میں مضمر ہے کہ عصمت نے ایک بے حد نازک اور ناگفتنی موضوع پر اس کی تشکیل و تعمیر فنی چابکدستی سے کی ہے جس سے یہ کہیں متبذل نہیں ہوتا۔ کہ یہ ہم جنسیت سے متعلق ہے مگر اس میں جنسی تلطف اور تلذّذ کا شائبہ نہیں ملتا۔ ہر بات اس قدر قرینے سلیقے اشارے کنائے سے متین اور مہذب انداز میں بغیر کوئی فحش لفظ استعمال کئے کہی گئی ہے گویا کہ فاضل مصنف نے کچھ نہ کچھ کہا ہو۔

جب یہ افسانہ اونچائی پر پہنچتا ہے تو اس کی راوی لڑکی ان postures کا ذکر کرتی ہے جو لحاف کے اندر بنتے بگڑتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان آوازوں کا پتہ دیتی ہے جو اسے لحاف کے اندر سے جنسی عمل کے دوران آتی ہیں۔ اس سے اس کے تجسّس کو ہوا ملتی ہے اور وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ لحاف کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ قاری کا تجسس بھی جو اس لڑکی کے ساتھ قدم بقدم پیش رفت کرتا رہتا ہے بڑھتا چلا

جاتا ہے۔لڑکی بجلی کی روشنی میں جو کچھ دیکھتی ہے اسے دیکھ کر بچھونے میں دبک جاتی ہے۔اس کا تجسّس ناپید ہو جاتا ہے اور صورت حال کھل کر اس پر واضح ہو جاتی ہے مگر متجسّس قاری حیران دیکھتا رہ جاتا ہے کہ لڑکی اس بارے میں لب تک نہیں کھولتی اور قاری کی تشنگی پر دلالت کرتی ہے۔اس اعتبار سے عصمت کا یہ افسانہ بہت بولڈ مگر ادھورا تجربہ لگنے لگتا ہے کہ ان کا مشاہدہ جھولتے ہوئے لحاف تک ہی محدود رہ جاتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر اپنے منطقی انجام کو نہیں پہنچتا۔بقول پطرس بخاری :

''اس کہانی کی قیمت یوں گھٹ جاتی ہے کہ اس کا مرکز نقل کوئی دل کا معاملہ نہیں بلکہ ایک جسمانی حرکت ہے۔شروع میں یہ خیال ہوتا ہے کہ بیگم جان کی نفسیات کو بے نقاب کریں گیں۔ پھر امید بندھتی ہے کہ جس لڑکی کی زبانی کہانی سنا رہی ہے اس کے جذبات میں دل چسپی ہوگی۔لیکن ان دونوں سے ہٹ کر کہانی آخر میں ایک اور ہی سمت اختیار کر لیتی ہے اور اپنی نظریں امنڈتے ہوئے لحاف پر گاڑ دیتی ہے۔ چنانچہ پڑھنے والا بے چارہ اپنے آپ کو اس قسم کے لوگوں میں شامل پاتا ہے جو مثلاً جانوروں کے معاشقے کا تماشہ کرنے کے لئے سڑک کے کنارے اکڑوں بیٹھ جاتے ہیں''۔[۱]

زبان و بیان کے اعتبار سے بھی یہ ایک اچھا افسانہ ہے۔کرداروں کی زبان ومحاورے، طعنے، کوسنے، دعائیں وغیرہ بھرپور ملتے ہیں۔ڈاکٹر زینت بشیر بتاتی ہیں۔

''زبان کرداروں کی عمر مزاج، خیالات و رجحانات کی مناسبت سے فطری ہیں''۔[۲]

عصمت کا جس اشارے کنائے کا فن ہے اسی فنی اعتبار سے انھوں نے اس کی تعریف بھی کی ہے۔لحاف موضوع کی انفرادیت اور ٹریٹمنٹ کی ندرت دونوں اعتبار سے ایک قابل تعریف افسانہ ہے۔اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

---

۱ ایس۔بخاری پطری، کچھ عصمت کے بارے میں ماہنامہ، ساقی، دہلی، فروری ۱۹۴۵ء۔

۲ آواز۔دہلی، عصمت چغتائی، ڈاکٹر زینت بشیر، ص ۵۔

دو ہاتھ

دو ہاتھ عصمت چغتائی کا شاہکار افسانہ ہے۔ دو ہاتھ میں ترقی پسند تحریک کے جو مقاصد تھے۔ ان کو عصمت نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سے ان کے گہرے سماجی اور طبقاتی شعور کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ اس کا موضوع مزدور اور محنت کش طبقے کے معاشی اور اقتصادی حالات ہیں۔ اس میں عصمت چغتائی نے جنسی حقیقت نگاری کی اچھی مثال پیش کی ہے بقول ڈاکٹر محمد ذاکر:

> ''دو ہاتھ میں ایک اور انداز سے نچلے طبقے کی زندگی کے چہرے سے نقاب اٹھائی ہے اور ہمارے سامنے ایک اہم سوال پیش کیا ہے۔ نہایت فن کارانہ انداز سے عصمت ہم میں اس نظام سے نفرت کا جذبہ ابھارتی ہیں۔ جس میں جنگ لازمی چیز ہے۔ رام اوتار بھنگی جو تین سال بعد لام سے پہلی بار واپس آیا ہے اپنے ایک سالہ بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہے''۔[۱]

سماج کے نچلے طبقے کو اپنا گزر بسر کرنے کے لئے اخلاقیات کی نچلی سطح تک پہنچنا پڑتا ہے اس بارے میں افسانہ دو ہاتھ سے پتہ چلتا ہے کہ رام اوتار دولت حاصل کرنے میں اتنا پاگل ہو جاتا ہے کہ اولاد کے فرق کو بھی محسوس نہیں کر پاتا۔ وہ تو اسے دو ہاتھوں کا سہارا سمجھتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ وہ جتنی محنت کرے گا اتنا ہی اسے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے پاس رقم آئے گی۔ اور اس کی جتنی ضرورتیں ہیں وہ سب پوری ہو جائینگی۔ جس کا وہ برسوں سے انتظار کر رہا تھا۔ یعنی محنت کرنے والے ہاتھ جتنے زیادہ ہونگے اتنا ہی اسے فائدہ ہوگا۔ حالانکہ رام اوتار اور اس کی ماں گوری اس کے بارے میں وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن اس کے بچے کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں تاکہ گھر میں دو ہاتھ کا اضافہ ہوگا اور اس سے گھر میں خوشیاں آجائینگی۔ گھر اور خاندان کے معاشی حالات بھی اچھے ہو جائینگے، غریبی دور ہو جائے گی۔

عصمت چغتائی نے اس افسانے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ متوسط طبقے کے لوگوں کی

---

[۱] آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب، ڈاکٹر محمد ذاکر، ص ۲۷۵-۲۷۴۔

معاشی ضرورتیں کسی طرح ہوتی ہیں اور ان کو کس طرح سے پوری کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس افسانے سے متوسط طبقوں کی ہمدردی کا بھی پتہ چلتی ہے۔

دو ہاتھ افسانہ اپنے محدود سیاق وسباق میں ایک بامعنی پلاٹ ہے اس کے واقعات میں تسلسل زیادہ پایا جاتا ہے اس میں انھوں نے نفسیات کا بھی سہارا لیا ہے جس میں کوئی جھول نہیں ہے۔ کون سی بات کب کہنی چاہئے اس کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ وہ اپنے تاثرات قاری تک پہچانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ انھوں نے مشکل سے مشکل بات کو آسان لفظوں میں بیان کر دیا ہے اور بہت ہی مختصر الفاظ میں بات کہی جاتی ہے۔ عصمت چغتائی اس ردعمل کے بارے میں بتاتی ہیں جو سماج میں عام طور پر دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ اگر وہ افسانہ گوری تک ہی محدود ہوتا تو افسانہ وہی ختم ہو جاتا۔ عصمت چغتائی نے سماج کا گہرا مطالعہ کیا جو سماج میں اس وقت ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس کے دوسرے رخ کو پیش کر کے پلاٹ میں توازن برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ افسانے میں وحدت تاثر کا یہ ایک اہم سبب ہے۔ بقول صلاح الدین احمد:

> ''عصمت چغتائی ہمارے کردار نگاری میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں اور وہ اپنے کردار کو انسانیت کا مکمل نمونہ بناتی ہیں۔'' [۱]

دو ہاتھ کردار نگاری کے اعتبار سے ایک اچھا افسانہ ہے۔ یہاں پر ہر کردار اپنی اپنی الگ پہچان بناتا ہے۔ جو کردار ہر وقت ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر توجہ نہیں دیتے۔ لیکن عصمت چغتائی نے ایسے کرداروں کو بہت ہی اچھے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں بھی ایسے ہی کردار ہیں۔ حالانکہ اس میں بہت سے کردار ہیں لیکن سب سے اہم کردار صرف چار ہیں۔ بوڑھی مہترانی، رام اوتار، گوری اور رتی رام۔ ان کے علاوہ دو کردار اور ہیں جو الگ الگ طریقے سے پہنچانے جاتے ہیں۔ دو ہاتھ افسانے میں یہ کردار بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ گوری اور رام اوتار کی بے

---

[۱] ادبی دنیا، اردو افسانے کے بعد جدید دور، رجحانات، صلاح الدین احمد، ص ۱۷۔

راہ روی کو روکنے انھیں براہِ راست پر لانے اور رام اوتار کو قائل کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

اس افسانے میں بوڑی مہترانی کا کردار سب سے جاندار ہے۔انھوں نے ایک چالاک عورت کا کردار ادا کیا ہے۔جیسے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بدل لیتی ہے۔سب کی سنتی ہیں لیکن جو دل میں آتا ہے وہی کرتی ہیں۔مہیلاؤں کی بیٹھک ہوتی ہے اس میں بوڑھی مہترانی بھی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتی۔بوڑھی مہترانی بہت ہی تیز ہوتی ہیں اور سب کو بے وقوف بنا دیتی ہیں۔وہ سارے زمانے کو جانتی ہے لیکن کہیں پر ہار نہیں مانتی۔چالیس سال تک میلا ڈھوتی ہے لیکن اس میں پھر بھی بڑا رحم ہے۔شروع میں وہ گوری کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔لیکن رتی رام کے آنے کے بعد جب گوری میں نمایاں تبدیلی آتی ہے تو وہ خاموش ہو جاتی ہے۔تو بڑھیا کے سامنے بہو بہت شرمیلی لگنے لگتی ہے کچھ عرصے بعد دونوں کے ناجائز تعلقات کا پتہ چلتا ہے وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتی ہے وہ خود جانتی ہے کہ مہترانی سے کسی کا میلا نہیں چھپتا۔اگر اسے مجبور کیا گیا تو وہ راز کو فاش کر دیگی۔آخر میں آکر گوری کے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔بڑھیا غصہ نہیں ہوتی کہ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔اور یہ ناجائز بچہ ہے۔لیکن بجائے ناراض ہونے کے بہت خوش ہوتی ہے اور رام اوتار کو خبر بھجواتی ہے کہ جلدی گھر آجاؤ تمہارے یہاں پوت پیدا ہوا ہے جب رام اوتار چلا جاتا ہے تب اس کے تین سال بعد یہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بڑھیا کتنی مکار ہے اپنا کام ہر طریقے سے نکال لیتی ہے باتوں ہی باتوں میں سب کو چکمہ دے دیتی ہے رام اوتار کی طرح اس کو بھی دو ہاتھوں کا سہارا چاہئے کہ آئندہ زندگی میں کام آئے۔

لیکن رام اوتار بہت ہی ناکارہ انسان ہے۔اسی نے کبھی نہ تو غصہ کیا۔نا ہی کبھی شرمندگی کا اظہار کیا بلکہ بچے کی پیدائش پر بہت خوشی منائی وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ بچہ میرا سہارا بنے گا۔جب

دوٹوک لفظوں میں بتایا جاتا ہے کہ لڑکا تیرا نہیں رتی رام کا ہے تب بھی اس کا ضمیر اسے ملامت نہیں کرتا۔

گوری کا کردار بہت ہی الگ سا کردار ہے۔ اسکے کردار میں جو خوبصورتی ہے وہ بالکل الگ سی ہے۔ رام اوتار جب کام سے واپس آتا ہے تو اس کے سامنے بہت ہی سیدھی بن کر رہتی ہے۔ کہیں نہیں جاتی۔ صرف گھر کا کام کاج کرتی رہتی ہے۔ جب رام اوتار لام پر واپس چلا جاتا ہے تو اس بری طرح روتی ہے ایسا لگتا ہے کہ اس کا پتی مر گیا ہو۔ لیکن رتی رام کے آنے کے بعد پھر اس میں نمایاں تبدیلی آجاتی ہے۔ لوگ انھیں بہت اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں رتی رام کو پیار کرتی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح رام اوتار کو پیار کرتی تھی۔ وہ کبھی بھی امانت میں خیانت نہیں کرتی۔ ایک طرف وہ اپنے شوہر سے بے انتہا پیار کرتی ہے دوسری طرف جب اس کا شوہر نہیں ہوتا۔ تو کسی اور کے ساتھ مزے لیتی ہے۔ یعنی اس کی غیر موجودگی میں دھوکا بھی دے رہی ہے وہ شوہر اور ساس کی طرح چالاک ہے۔ اسے سماج کی پرواہ نہیں ہے۔ اسے سماجی بندھنوں میں بندھنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ ایک عیاری و مکاری کا اچھا پہلو ہے۔

اس افسانے میں زبان کا اچھا استعمال ہوا ہے۔ کردار نگاری کے اعتبار سے بھی یہ ایک اچھا افسانہ ہے۔ انھوں نے کرداروں کی نفسیات کا سہارا لیا ہے اور ان کے باطن تک پہنچنے کی کوشش کی ہے وہ ہر طرح کی نفسیات پیش کر سکتی ہیں۔ دو ہاتھ افسانے میں انھوں نے اجتماعی نفسیات بہت اچھی طرح پیش کیا ہے اور جب کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اسی طرح جب وہ انتقام لیتی ہے۔ تو اس وقت گوری اور اس کی ساس کی نفسیات ایک ہی طرح کا کام کر رہی ہوتی ہے۔ دونوں یہ سوچتی ہیں کہ مہترانی سے کسی کا میلا نہیں چھپتا۔ عصمت چغتائی نے بوڑھی مہترانی کے کردار کو بہت ہی اچھے ڈھنگ سے اجاگر کیا ہے۔

عصمت چغتائی تکنیک کا بہت استعمال کرتی ہیں۔ دو ہاتھ افسانے کی تکنیک بیانیہ اور مکالماتی ہے۔ افسانے کی ابتداء بیانیہ سے ہوتی ہے۔ جس کا زیادہ تر حصہ اس پر مشتمل ہے کہ عصمت واحد متکلم کے طور پر پورے افسانے کی راوی ہیں۔ ان کے بیانیہ میں بڑی جان ہے اور وہ قاری کی توجہ اس کی طرف کرا دیتی ہیں۔ یہاں منظر نگاری بھی بہت اچھی کی ہے۔ نفسیات کے ساتھ حلیہ بھی بہت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ یہاں انھوں نے مکالمہ نگاری سے بھی کام لیا ہے۔ انھیں عورتوں کی زبان پر ملکہ حاصل ہے لہٰذا وہ مکالمہ نگاری بھی اچھی کرتی ہیں۔ بالخصوص آخری مکالمے نے پورے افسانے کے مرکزی تھیم کو سمیٹ لیا ہے۔ عصمت چغتائی کہانی کو بہت اچھا بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ہر بات کو اچھے طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ مرکزی خیال کی وضاحت بار بار بیچ میں کرتی ہیں تاکہ موضوع کی طرف سے ذہن ہٹنے نہ پائے اور جدت تاثر بھی برقرار رہے۔

عصمت چغتائی کا اسلوب بہت اچھا ہے۔ ان کے اسلوب کی یہ خوبی رہی ہے کہ وہ بڑی جرأت اور بے باکی سے افسانہ لکھ دیتی ہیں اس سے ایسا تاثر پیدا ہو جاتا ہے جس کو وہ خود محسوس کرتی ہیں۔ اس میں جملوں کی تراش خراش اچھی کی ہے۔ انھوں نے سب سادھا اور سلیس زبان میں لکھا ہے ایسا لگتا ہے کہ ہماری زندگی میں جو روزمرہ کے واقعات آتے ہیں۔ انھیں کو پیش کیا ہے ان کے افسانے میں اس طرح کے انداز کی پیشکش سے قاری ایک گہرے تاثر سے ہمکنار ہوتا ہے۔ دو ہاتھ اسی کی تصویر ہے یعنی دو ہاتھ افسانے کی اسی میں جھلک ملتی ہے۔

اس افسانہ میں انھوں نے اپنے مخصوص فکر و فن اور نقطہ نظر کا بھی اظہار بڑی بے باکی سے کیا ہے۔ دو ہاتھ فن اور تکنیک کی وجہ سے اچھا افسانہ ہے۔ مکالموں کی پیشکش اچھی ہے جس کی وجہ سے ہمیں عصمت کے فن اور اسلوب کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ دو ہاتھ کو بطور استعارہ پیش کر کے سماج کے اس طبقے کا درد و کرب نمایاں کیا ہے جس کی از حد ضرورت تھی۔ عصمت چغتائی نے دو ہاتھ افسانے میں

حقیقت نگاری سے کام لیا ہے۔ جو عام طور پر سماج کی نظروں سے غائب رہتی ہیں۔عصمت چغتائی نے دو ہاتھ افسانے کی پیشکش میں اپنے فن کاری ہونے کا واضح ثبوت دیا ہے۔

گیندا :

گیندا عصمت چغتائی کا شاہکار افسانہ ہے جو عرصہ دراز تک زندہ رہے گا۔ ایک عورت کے نازک ترین جذبات واحساسات کی ایسی جاندار ترجمانی عصمت چغتائی ہی کے بس کی بات تھی۔ جس کو انھوں نے بہ خوبی نبھایا۔ اس افسانے میں عصمت چغتائی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ گیندا جو کہ ایک لڑکی ہے وہی ہو بہو کرتی ہے جو بڑے لوگ کرتے ہیں۔ اس افسانے میں انھوں نے ایک بچی کے احساسات کو بالکل فطری انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ شادی کی باتیں بڑی چھپ چھپ کر سنتی ہے پھر خود کے دل میں بھی ویسے ہی جذبات آتے ہیں جو وہ سنتی ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ میں بھی کبھی دلہن بنونگی وغیرہ وغیرہ۔

گیندا کی سہیلی کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہے۔ اور وہ چھوٹ پن میں بیوہ بھی ہو جاتی ہے وہ اس سے بہت پوچھتی ہے کہ تم اپنی مانگ میں سیندور کیوں نہیں بھرتی ہو وہ اس کو جواب دیتی ہے کہ میں بیوہ ہوں۔ وہ سمجھ نہیں پاتی کہ بیوہ ہونا کیا ہوتا ہے۔ اس نے بیوہ ہونے کے بارے میں کبھی سنا بھی نہیں ہے۔ جب اس کا بھائی گیندا سے شادی کی باتیں کرتا ہے تب اس کو بہت اچھا محسوس ہوتا اور وہ چاہتی ہے کہ اس سے کوئی اس طرح کی باتیں کرے۔ وہاں پر ایک مالی ہوتا ہے اس سے وہ پوچھتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کروگے۔ مالی منع کر دیتا ہے کہ میری شادی ہو چکی ہے میں شادی شدہ ہوں۔ وہ حیرانی سے اس کی شکل دیکھتی ہے۔ پھر وہ اپنی بہن کے ساتھ لاہور چلی جاتی ہے دو سال بعد مگر واپس آتی ہے تو سب کچھ الگ الگ سا لگتا ہے۔ میوہ رام جو مالی تھا مر چکا تھا۔ اور اس درمیان گیندا ایک بچے کی ماں بن جاتی ہے۔ اس کی دوست گیندا کے بچے کو بہت حیرت سے دیکھتی ہے۔ وہ

گیندا سے بچے کے بارے میں پوچھتی ہے۔ گیندا اس کو سب کچھ بتا دیتی ہے کہ وہ کیسے ایک بچے کی ماں بن گئی۔ وہ بتاتی ہے کہ اس بچے کے چکر میں اس کو مارا پیٹا بھی گیا۔ بہت کمزور بھی ہوگئی۔ اس کا علاج تک نہیں کروایا وغیرہ۔ جب وہ اپنے بھائی کا ذکر کرتی ہے تو بھائی کے نام پر اس کی آنکھوں میں آنسوں آجاتے ہیں۔ گیندا اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کب آئینگے۔ اور وہ اس وقت کہاں ہیں۔ جب انھیں خط لکھو تو خط میں میرے بارے میں ضرور لکھ دینا۔

یہ افسانہ بہت ہی دردناک افسانہ ہے۔ جس فنی صناعی سے اسے پیش کیا گیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اس افسانے میں کہانی آہستہ آہستہ انداز سے آگے بڑھتی ہے کوئی بات بلند آواز یا اونچے سروں میں نہیں کہی گئی۔ ایسے ہی یہ افسانہ دھیمے دھیمے میٹھے انداز میں قاری کے قلب وجگر میں اترتا چلا جاتا ہے۔

عصمت چغتائی نے اس افسانے میں غریبی اور امیری کو بحسن وخوبی نمایاں کیا ہے۔ بھیا گیندا کا بڑی بے باکی سے استحصال کرتا ہے۔ اور صاف بچ نکلتا ہے۔ تمام کنبہ اس کے پیچھے تھا۔ ان کی نظروں میں وہ صاف شفاف دھلا دھلایا تھا۔ جب کہ نیچ اور کمینی گیندا غلاظت کی پوٹلی ہے۔ جس نے ایک شریف زادے کو خواہ مخواہ ملوث کیا۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اس ایسے پر کمال ہوشیاری، مکاری، اور فریب کاری سے پردہ پوشی کرتے ہیں اور سرکار تک کو اس کی بھنک نہیں پڑنے دیتے۔ بڑی چالاکی سے بھیا کو منظر سے ہٹا کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ادھر گیندا ہے جو آہ بھرنے کی بھی روداد نہیں کہہ سکتی چونکہ وہ ان کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔

یہ افسانہ نہ صرف غریبی اور امیری میں فرق کرتا ہے بلکہ یہ مرد کی بالادستی اور عورت کی زبردستی کو بھی آشکار کرتا ہے ایسے معاملات میں عورت کو ہی غلط سمجھا جاتا ہے۔ زندگی بھر اسے سب لوگ غلط سمجھتے رہتے ہیں۔ گویا عورت ہونا ایک گناہ کی طرح لگتا ہے۔ لیکن وہ اپنی باتوں پر صبر کرتی ہے۔

عصمت اس کہانی کے مرکزی نکتہ کا یوں ذکر کرتی ہیں۔

''اس کہانی کا اصلی نکتہ یہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا ہے تو مرد صاف نکل جاتے ہیں۔ اور عورت اس طوفان میں گھر جاتی ہے۔ حرام کے بچے کی ساری لعنت ملامت بے چاری عورت کو ملتی ہے۔ اس عورت کے ذہن پر سماجی برتاؤ کا کتنا غلط اثر پڑتا ہے''۔[۱]

گیندا کی فنی خوبیاں ہمیں چونکا دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر گیندا جن مرحلوں سے گزری ہے۔ ان مرحلوں سے گیندا کی سہیلی بھی گزرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کا عمل عقلی منطقی ہی نہیں تقلیدی بھی ہے۔

عصمت نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بڑی بات لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اشارے، کنائے اور استعارے کی زبان میں بات کہنا ان کے فن کا حسن ہے۔ وہ اس طرح بات کہہ جاتی ہیں کہ پڑھنے والا سوچتا رہ جاتا ہے۔ مثال کے لئے یہ الفاظ ہیں۔ ''جن سے بھیا کی بہن کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے اس کی غیر موجودگی میں کیا کیا۔ اور کیا گل کھلائے۔ اور گیندا پر کیا گزری''۔ ان دو آدھے ادھورے جملوں میں ساری افسانے کے المیے کی داستان مضمر ہے۔

عصمت چغتائی کا یہ افسانہ کئی نازک موڑ سے گزرا ہے۔ لیکن اس کی قدر و قیمت بہت ہے۔ مثلاً بہو عادتاً گیندا کو برا بھلا کہتی ہے اور اس پر ہاتھ بھی اٹھا دیتی ہے۔ تو اس کی سہیلی بدلہ لیتی ہے اور کوئی مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔ تو پانی کی ہودی میں زور زور سے لکڑی گھماتی ہے اور توجہ بٹ جانے سے اسے چین ملتا ہے۔ اس طرح کے اور بھی افسانے ہیں۔ جو ان کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ لہٰذا پورا افسانہ ایک اکائی کی صورت میں ابھرتا ہے۔ اور بے اختیار متاثر کرتا ہے۔ گیندا میں بچوں کی نفسیات کا ایک اہم پہلو نمایاں کیا گیا ہے۔

---

[۱] عصمت چغتائی، عصمت چغتائی سے ایک ملاقات (انٹرویو) از جلیل بازید پوری ماہنامہ 'شیرازہ' سری نگر، شمارہ ۸-۱۰

چھوٹی آپا :

چھوٹی آپا ایسا افسانہ ہے جو خاص طور پر لڑکیوں کے مسائل پر بنا ہے وہ لڑکیاں جو نوجوان ہیں عصمت چغتائی نے ان نوجوان لڑکیوں کے بارے میں الگ الگ مسائل پیش کئے ان کا کہنا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کے اندر بھی تبدیلیاں وقت کے ساتھ آتی ہیں۔ جس میں عصمت چغتائی نے متوسط طبقے کی نوجوان لڑکیوں سے بحث کی ہے۔ جو شباب کی منزل کا پہلا زینہ سر کرنے والی ہوتی ہیں۔ عصمت نے ان نوجوان لڑکیوں میں آنے والی تبدیلیوں کو بہترین انداز سے پیش کیا ہے۔ ان کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس کی مثال دینا ممکن نہیں۔

عصمت چغتائی نے جو بھی اس افسانے میں بتایا ہے اس کے متعلق ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں۔

> ''....ان کا خاص موضوع نوجوان لڑکیوں کے کردار ہیں۔ اس عمر کی لڑکیوں کے ذہنی اور نفسیاتی مسائل ان کے ارمان اور الجھنیں ان کے جنسی جذبات سب ہی کچھ ان افسانوں میں بڑی بے باکی سے بیان ہوئے ہیں''۔ [۱]

اس پورے افسانے میں چھوٹی آپا کا بہترین کردار بتایا گیا ہے اس میں ایک نوجوان لڑکی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑے دلفریب انداز سے پیش کیا ہے۔ یعنی نوجوان لڑکی کی زندگی میں جتنے بھی مسائل گزرے ہیں جو بھی حادثات اس کے ساتھ پیش آئے ہیں ان تمام باتوں کو عصمت چغتائی نے بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ بقول رحمٰن حمیدی :

> ''...ان کے بیان سے صداقت وحقیقت ظاہر ہے ان کے افسانوں کا عام موضوع مستی بھری جوانی ہے۔ ان کی کہانی چھوٹی آپا نوجوان لڑکیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے''۔ [۲]

---

۱ آج کا اردو ادب، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ص ۲۲۶۔

۲ نیا دور لکھنؤ، مختصر افسانہ ۱۹۴۰ء تک، رحمٰن حمیدی، ص ۳۷۔

اس پورے افسانے کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عصمت نے اس میں جس طرح نوجوان لڑکیوں کی امنگوں اور ان کی نفسیات کی نقاب کشائی کی ہے اسے مشاہدے کے نام سے تعبیر کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں ہمیشہ سچائی بیان کی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ ایسی تصویر کشی کی ہے جو حقیقت ہے۔ یہاں بھی انھوں نے ایک لڑکی کے مسائل کو جو انھوں نے اس زمانے میں دیکھا ہے۔ اس کو ایک کردار کا نام دے کر اپنے افسانے میں پیش کیا ہے تاکہ دنیا کے سامنے وہ سچائی آسکے۔ جس کو جانتے ہوئے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس سچائی سے محروم رہتے ہیں، یعنی وہ اس حقیقت کو جانتے تو ہیں لیکن ان مسائل کو سمجھتے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ سماج میں لڑکیوں کو وہ جگہ حاصل نہیں ہے جس کی وہ اہل ہیں۔

چوتھی کا جوڑا :

چوتھی کا جوڑا عصمت چغتائی کا بے حد کامیاب افسانہ ہے۔ انھوں نے اس افسانے میں مسلم متوسط طبقے کے لوگوں کے بارے میں بتایا ہے۔ یہاں صرف غریبی ہی غریبی ہے۔ یہاں پر غریب لڑکی کبریٰ اپنے دل میں شادی کی حسرت لئے ہوئے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیتی ہے۔ یہ صرف کبریٰ کی کہانی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جو اس سماج میں موجود ہیں۔ اور جنھیں تمام کوششوں کے باوجود اپنی مرضی کے مطابق حق نہیں مل پاتا ہے۔ یہاں کبریٰ جیسی لڑکیاں اپنے آپ کو سماج پر بوجھ سمجھتی ہیں۔ عصمت نے اس کہانی میں سماج کے دکھ درد کو سمیٹ لیا ہے۔ عصمت چغتائی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان موضوع سے سماج کے دکھ درد کو بہت غور سے دیکھا ہے۔ اور ان کی دکھتی رگوں کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کے موضوعات سماجی، حقیقت نگاری کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس میں انھوں نے سماجی کرب کو بہت درمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عصمت کے سارے دکھ درد اس افسانے کے ذریعہ ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

یہ ایک اکہرے پلاٹ کا افسانہ ہے۔ پلاٹ میں کہیں بھی جھول نہیں ہے۔ واقعات بہت اچھے ہیں۔ جیسے کبریٰ کے والد تو پہلے ہی مر چکے ہیں۔ کبریٰ کی ماں بیٹی کی شادی کو لے کر بہت پریشان ہے۔ وہ پہلے سے اس کی شادی کے بارے میں سوچتی ہیں۔ اس کی شادی کے لئے جہیز اکٹھا کرتی ہیں۔ جب بھی کہیں سے رشتے کا پیغام آتا ہے وہ خوش ہوتی ہے کہ میری سالوں کی تمنائیں پوری ہوگئیں۔ وہ فوراً اس کی شادی کی تیاری میں لگ جاتی ہے۔ محلے والیوں کو بلاتی ہے گوٹا کناریاں لگواتی ہے۔ شادی کی تیاری یہ سوچ کر کرتی ہے کہ شادی کا مسئلہ اس بار حل ہو جائے گا۔ شادی کا جوڑا جو اس کے لئے بنایا جاتا ہے اس کو احتیاط سے رکھ دیتی ہے۔ پھر وہ پرانا ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہتا ہے۔ اسی بیچ ایک لڑکا راحت پولس ٹریننگ کے لئے آتا ہے وہ ان کے گھر پر رکتا ہے۔ بی اماں کی خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ سوچتی ہیں کہ اب رشتہ ضرور طے ہو جائے گا۔ پھر کبریٰ کی ماں اور بہن حمیدہ اس کی خاطر میں لگ جاتی ہیں کہ اب کبریٰ کی شادی راحت کے ساتھ ضرور طے ہو جائے گی اور وہ اس گھر کا داماد بن جائے گا۔ غریبی میں بھی راحت کے لئے اچھے اچھے کھانے پکتے ہیں۔ اور ہر طرح خاطر مدارت کی جاتی ہیں کہ وہ کسی طرح کبریٰ کا ہاتھ تھام لے۔ لیکن اتنی ساری خاطر کے بعد بھی راحت کبریٰ کی طرف دیکھتا نہیں۔ نہ وہ کبریٰ کو چاہتا ہے یہاں تک کہ اسے دم کیا ہوا ملیدہ بھی کھلایا جاتا ہے کہ شاید راحت کے دل میں کچھ محبت جاگ اٹھیں۔ لیکن ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور خوب خاطر کے بعد راحت اپنے گھر لوٹ جاتا ہے اس کے فوراً بعد کبریٰ بھی جو ایک عرصے سے دق کے عارضے میں مبتلا تھی چپ چاپ مر جاتی ہے۔ کبریٰ کی ماں جنھوں نے بہت ہی ارمانوں سے چوتھی کا جوڑا سیا تھا۔ قدرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا کفن سیتی ہے۔ یہ بے حد تکلیف دہ وقت ہوتا ہے جس میں انھوں نے غربت کے عالم میں اپنے آپ سے ہار مان لی ہے۔ افسانے کا آخری حصہ بی اماں کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

چوتھی کا جوڑا بہت ہی دردناک افسانہ ہے۔اس کے کل پانچ کردار ہیں۔کبریٰ، کبریٰ کی ماں، اس کی بہن حمیدہ، بی اماں کی منہ بولی بہن بندوں کی ماں اور راحت۔کردار نگاری کے لحاظ سے یہ ایک اچھا افسانہ ہے۔کبریٰ اس کہانی کا مرکزی کردار ہے۔اسی کے گرد پوری کہانی گھومتی ہے۔اس کی شادی کی وجہ سے گھر کے تمام لوگ فکر مند ہیں۔کبریٰ ہر وقت گھر کا کام کاج کرتی رہتی ہے۔وہ سارا کام ذمہ داری کے ساتھ کرتی ہے۔اور اکیلا رہنا پسند کرتی ہے۔ہر وقت شادی کے مسئلے کو لے کر فکر مند رہتی ہے۔رشتے ہی نہیں ملتے۔مگر رشتے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی عمر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔تو اس پر مایوسی چھا جاتی ہے۔وہ کوئی بناؤ سنگھار نہیں کرتی۔ساون بھادو کی گھٹاؤ سے بھی بے نیاز رہتی ہے۔اس نے اپنی زندگی میں جوانی کی خوشیاں دیکھی ہی نہیں ہیں۔ وہ اپنے دل میں اپنی آرزوؤں کو دبائے رکھتی ہے۔کہانی میں ایسے کئی موڑ آتے ہیں۔جہاں حمیدہ صرف کبریٰ کے لئے راحت کی خاطر کرتی ہے۔لیکن راحت حمیدہ کو غلط نگاہ سے دیکھتا ہے۔جو اس کو منظور نہیں ہے ادھر کبریٰ راحت کے لیے سوئٹر بنتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ سلائی بھی کرتی ہے۔راحت کی خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ آجائے وہ ہر طرح سے راحت کی خدمت کے لئے تیار رہتی ہے۔

بی اماں کا کردار ایک ذمہ دار ماں کا ہے۔وہ نہ صرف ایک بیوہ عورت ہے بلکہ اس کے اوپر دو کنواری لڑکیوں کا بوجھ ہے۔وہ اپنا فرض کسی طرح سے پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔بلکہ وہ ہر ایسی ترکیبیں استعمال کرتی ہے جو ایسے موقعوں پر کام آتی ہیں۔چنانچہ وہ سارے زیورات راحت کی خاطر کرنے میں بیچ دیتی ہے کہ کسی طرح راحت کی شادی ہو جائے۔جیسے ہی انھیں راحت کے آنے کی خبر ملتی ہے وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی ہیں۔وہ راحت کو کسی طرح داماد بنانے کے کوشش میں لگ جاتی ہیں اور منہ بولی بہن کو بھی بلاتی ہے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اس کہانی میں حمیدہ کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے وہ متحرک کردار ہے وہ راحت اور گھر کے بیچ

ایک بچی کی حیثیت رکھتی ہے وہ راحت کو کھانا، ناشتہ وغیرہ لے جا کر دیتی ہے وہ راحت کو ہونے والے بہنوئی سمجھ کر چھیڑتی ہے مذاق کرتی ہے اس کے دل میں یہ امید ہوتی ہے کہ راحت ضرور اس کا بہنوئی بن جائے گا۔ عصمت چغتائی نے ان سب کا اظہار نہایت بے باکی سے اور فطری انداز میں کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ذاکر لکھتے ہیں:

''عصمت کا ایک اور شاہکار ہے چوتھی کا جوڑا اس میں مسلمان گھرانے میں لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ جس فن کارانہ کمال اور دلسوزی سے پیش کیا گیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے''۔ [۱]

وقار عظیم لکھتے ہیں:

''چوتھی کا جوڑا میں ایک لڑکی کی معمولی سی کہانی میں عصمت نے ایک معاشرے اور ایک تہذیب کا سارا درد اور اس درد کی ساری ٹیسیں بھر دی ہیں۔ اور اس درد اور اس کی ٹیسوں کے بیان میں جہاں ایک طرف ان ساری تفصیلوں سے کام لیا ہے جو کسی ماحول کی مصوری کا لازمی جزو ہیں اور دوسری طرف بیان میں غزل کی لطافت اور ایمائیت بھی موجودہ ہے''۔ [۲]

یہ ایک اچھی کہانی ہے۔ کہانی بیانیہ انداز میں شروع ہوتی ہے جس میں عصمت چغتائی اپنی ہوشیاری سے تمام واقعات کو منطقی ترتیب سے بیان کرتی ہیں جب تک راحت پولس ٹریننگ کے لئے نہیں آتا جب تک کہانی کا انداز بیانیہ ہی رہتا ہے۔ لیکن راحت جب آ گیا تو کہانی کا انداز مکالماتی ہو گیا۔ یہ مکالمے کبھی بی اماں اور ان کی منہ بولی بہن کے درمیان ہیں تو کبھی راحت اور حمیدہ کے درمیان کبھی کبریٰ اور حمیدہ کے درمیان اور کبھی حمیدہ اور بی اماں کے درمیان۔ گویا حسب ضرورت

---

[۱] آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب، ڈاکٹر محمد ذاکر، ص ۴۷۶۔

[۲] نیا افسانہ، وقار عظیم، ص ۲۱۴۔

مکالموں سے کام لیا گیا ہے ان مکالموں کا فائدہ یہ ہے کہ کہانی ان کے ذریعہ آگے بڑھتی ہے۔حمیدہ کی کردار نگاری کے سلسلے میں انھوں نے خود کلامی کی تکنیک بھی استعمال کی ہے۔ اس تکنیک سے کہانی زیادہ اچھی ہوگئی ہے اسی طرح انھوں نے جزئیات نگاری اور منظر نگاری کا استعمال کیا ہے کہ جیسے زیر بحث راحت کو قابو میں کرنے کی کوشش میں لگے رہنا۔اس کو بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔عصمت چغتائی نے منظر نگاری سے بھی کام لیا ہے۔

عصمت چغتائی کی زبان بہت ہی اچھی ہے اور بہت ہی صاف گوئی سے کام لیتی ہیں۔ عام طور پر ان کی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت ہی طنز سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ بات کو طول نہ دے کر کتابوں کے ذریعہ سب کچھ کہہ جاتی ہیں۔ وہ اکثر گھریلو اور نسوانی تشبیہیں اور محاورے استعمال کرتی ہیں۔ کرداروں کے ماحول اور ان کی زبان پر انھیں بھرپور ملکہ حاصل ہے۔

چوتھی کا جوڑا بیک وقت عصری سماج کے سلگتے مسئلہ کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ہی ساتھ فن افسانہ نگاری کے ان تقاضوں کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔جس کی وجہ سے ہم اس کو اردو کے مشہور افسانوں میں شمار کرتے ہیں۔اس میں پلاٹ کردار، جذبات نگاری، زبان، انداز، پیشکش کو بہت ہی اچھی طرح استعمال کیا گیا ہے۔چوتھی کا جوڑا قابل تعریف افسانہ ہے۔

جڑیں :

جڑیں عصمت چغتائی کا ایک اور مشہور افسانہ ہے۔جس کا موضوع تقسیم ملک کے فسادات سے جڑا ہوا ہے۔تقسیم ملک کا دور ایک طوفانی اور ہیجانی دور تھا۔جس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ عصمت چغتائی نے اس افسانے میں ویسا ہی اسٹائل اپنایا ہے۔ جو انھوں نے سارے افسانوں میں اسٹائل اپنایا ہے۔ جڑیں میں عصمت چغتائی نے تقسیم ہند اور اس کے بعد کے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ان کو بہت ہی اچھے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔اس افسانے میں ایسے خاندان کی کہانی بیان کی گئی

ہے جو تقسیم کے وقت ہندوستان چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ پورا گھر ایک ویران سا ہو جاتا ہے۔ گھر کاٹ کھانے کو آتا ہے۔ گھر کے سارے لوگ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس بوڑھی ماں کو ہوتا ہے وہ خاموش ہو جاتی ہیں لیکن سارے لوگ ان کے غم کو سمجھتے ہیں۔ بوڑھی ماں کو گھر چھوڑنے کا بہت افسوس ہوتا ہے۔ روپ چند جو اس کا پڑوسی ہے وہ سب کچھ غور سے دیکھتا رہتا ہے۔ وہ پڑوسیوں کے چلے جانے پر بہت افسوس کرتا ہے۔ جب اس سے رہا نہیں جاتا۔ تو آخر کار ان کے قافلے کو واپس لے آتا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں میں یکتائی بہت دکھائی دیتی ہے جو کہ قابل تعریف ہے اس میں جذبات کی عکاسی بھی بہت ہی اچھے ڈھنگ سے کی گئی ہے ان کے فن کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔

اس افسانے میں اماں اور روپ چند کا کردار ایک سا ہی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو مرکزی کردار نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں ہی کردار اچھے کردار ہیں۔ پورا افسانہ انھیں دونوں کے گرد گھومتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے کردار کو بالیدگی اور استحکام عطا کرتے ہیں۔ اگر اماں اپنی جڑوں سے نہ جڑی رہتی۔ تو یہ افسانہ معرض وجود میں ہی نہ آتا۔ اگر روپ چند افسانے کے آخری حصے میں لڑکوں اور ان کے بیوی بچوں کو واپس لے کر نہ آتے۔ تو شاید افسانہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

روپ چند کا کردار بہت ہی اچھا ہے۔ اماں ان کے سامنے نہیں آتی۔ لیکن پردہ کے پیچھے سے ساری باتیں کہہ لیتی ہے جو ان کو کہنا ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر رہتے ہیں۔ لیکن مذہب ان کے آڑے نہیں آتا۔ وہ دونوں ایک بھائی بہن کی طرح ملتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایک خاندان کے لوگ ہوں۔ روپ چند بہت ہی سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ وہ دوسروں کے دکھ میں شریک ہوتے ہیں دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں۔ اماں بھی ان سے بہت پیار بھرے انداز میں باتیں کرتی ہیں جن سے محبت جھلکتی ہے ابا میاں کا کردار بہت ہی اچھا ہے۔ ابا میاں پر جب فالج گرتی ہے تو سارے لوگ ان کی خدمت میں لگ جاتے ہیں ان کا علاج کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے گھر کا کوئی کام ان سے

بغیر مشورے کے نہیں ہوتا سب لوگ ان کو اپنا بزرگ مانتے ہیں۔

عصمت چغتائی نے تقسیم ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کے بارے بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ انھیں اس کلچر پر بڑا فخر تھا۔ جو ان کے آباؤ اجداد نے ورثہ میں دیا تھا۔ یہ وہی کلچر ہے جو انھیں مختلف مذاہب سے ملا۔ مذہب الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ مگر کلچر ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ اس افسانے کا تھیم منفرد نہیں بلکہ منٹو نے ایسا ہی ایک افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ لکھا۔ اس کا موضوع بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

عصمت چغتائی نے یہ افسانہ فسادات کے کافی عرصہ بعد لکھا۔ اس لئے اس میں وہ شدت نہیں جو اور فن کاروں کے افسانوں میں ملتی ہے۔ اس میں ہر بات دھیمی انداز میں کہی گئی ہے۔ عصمت چغتائی افسانے کے آغاز اور انجام پر زیادہ زور دیتی ہیں۔ آغاز پر اس لئے دھیان دیتی ہیں کہ وہ اس کے تجسس کو بیدار کر کے افسانے کے سفر میں اسے اپنے ساتھ لے لیں اور انجام پر اس لئے کہ وہ قاری کے قلب و ذہن پر اپنا دائمی نقش ثبت کر دیں۔ عصمت نے اس افسانے میں بھی اپنی روایت کو قائم رکھا ہے۔ افسانے کا آغاز یہ ہے۔

> ''سب کے چہرے فق تھے گھر میں کھانا بھی نہ پکا تھا۔ آج چھٹا روز تھا۔ بچے اسکول چھوڑے گھروں میں بیٹھے اپنی اور سارے گھر والوں کی زندگی وبال کئے دے رہے تھے وہی مار کٹائی دھول دھپا وہی اودھم، قلابازیاں جیسے پندرہ اگست آیا ہی نہ ہو''۔[1]

جڑیں میں عصمت چغتائی کے اصول و نظریات سامنے آتے ہیں۔ یعنی وطن و دوستی کا جذبہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ وہ تقسیم ملک کو غیر دانشمندانہ فعل قرار دیتی ہیں۔ اس افسانے کی تخلیق اسی وجہ سے ہوئی۔ کہ مجموعی طور پر جڑیں عصمت چغتائی کے سیکولر اصول و نظریات اور اشتراکیت کی ترجمانی کرتا تھا۔ ان کا سیکولر ذہن روپ چند اور بوڑھی اماں کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ افسانہ عصمت

---

[1] عصمت چغتائی، فسادات کے افسانے، سہ ماہی، زبن جدید، نئی دہلی۔

چغتائی کے اور افسانوں کی طرح صاف شفاف افسانہ ہے۔فسادات سے وابستہ، افسانوں میں ان کو ایک مقام حاصل ہے۔

بھول بھلیاں

بھول بھلیاں عصمت چغتائی کا شاہکار افسانہ ہے۔ یہ عصمت کے فن کی بقا کا ضامن ہے۔ بھول بھلیاں بچوں کی نفسیات پر لکھا گیا ہے۔اس افسانے کی شروعات بچوں کے فوج فوج کھیلنے سے ہوتی ہے۔شروع میں بچوں کے کھیل کھیلنے کے بارے میں بتایا ہے۔ جب ہم اس کو پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے بچوں کے فوج فوج کھیلنے کا نقشہ اتر آتا ہے۔

بھول بھلیاں میں عصمت چغتائی یہ بتاتی ہیں کہ جب کئی لڑکیوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے اس لڑکے کو گھر والوں کا اتنا پیار ملتا ہے کہ وہ بہت بگڑ جاتا ہے۔اور ضدی ہو جاتا ہے۔ چچا کی لڑکی اس کے یہاں رہتی ہے وہ اسے باجی کہتا ہے۔اس کو اپنی بہن سمجھ کر پیار کرتا ہے اور اسے بہت چاہتا ہے۔ باجی کو گھر نہیں جانے دیتا۔ایک بار جب وہ اپنے گھر چلی جاتی ہے اور تین سال بعد لوٹتی ہے تب صلو بڑا ہو چکا ہوتا ہے اور اس کی مونچھیں بھی نکل آتی ہیں۔ وہ جوان ہو جاتا ہے لیکن اپنی باجی سے ایسے ہی چھیڑا خانی کرتا ہے۔جیسے وہ بچپن میں کیا کرتا تھا اس کی گود میں بیٹھ جاتا ہے گھر کے سارے لوگ صلو سے بہت پیار کرتے ہیں۔کوئی گھر میں اس سے کچھ نہیں کہتا۔صلو جب اپنی باجی سے لپٹتا ہے تو باجی بہت ناراض ہو جاتی ہیں کہتی ہے کہ تم اب جوان ہو چکے ہو اس طرح کی باتیں کرنا اب اچھا نہیں لگتا ہے لیکن وہ مانتا ہی نہیں ہے پھر بھی وہ اسی طرح کی باتیں کرتا ہے۔لیکن یہ بھائی بہن کا پیار جنس کا روپ لے لیتا ہے۔جس سے اس کے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔صلو اس سے پوچھتا ہے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا ہے۔تو باجی جھوٹ بول دیتی ہیں کہ لڑکا میں نے یتیم خانے سے لیا تھا۔بعد میں اس کا راز فاش

ہو جاتا ہے کہ یہ اسی کا بیٹا ہے۔ اس کو یتیم خانے سے نہیں لیا گیا ہے۔

اس افسانے میں صلو کا کردار بہت بچپنے کا ہے۔ صلو کو ماں باپ کا بہت پیار ملتا ہے۔ اسی لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بہت بگڑ جاتا ہے۔ اس کو یہ پیار اس لئے ملتا ہے کہ وہ اکیلا بھائی ہے وہ اپنے آگے کسی کی نہیں سنتا۔ جو اس کا دل چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

بھول بھلیاں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بلوغت کے دور کو بہت خوبصورتی سے ابھارا ہے۔ وہ اپنے آپ میں یک مثال ہے بلوغت کا دور انسان کی زندگی میں چودہ سال سے پچیس سال تک رہتا ہے۔ بلوغت کا دور انسانی زندگی میں بہت نازک، حسین، رنگین اور نا قابل فراموش ہوتا ہے۔ عصمت نے اس افسانے میں صلو اور باجی کی بلوغت کے دور کا ذکر بہت ہنر مندی سے ابھارا ہے۔ ایسا اردو ادب میں شاید ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ بھول بھلیاں میں ہر کیفیت ہر واقعہ ایک ایک منظر کو روشن اور تاباں کر دیتا ہے اور افسانہ کے پیش رفت کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس افسانے کا انجام بہت خوبصورت ہے۔ عصمت کے افسانوں کا انجام بالکل منٹو کے افسانوں کی طرح ہے جو غیر متوقع ہونے کے سبب قاری کو چونکا دیتا ہے اور فنکارہ کی فنی صناعی کے داد دیتے ہی بنتی ہے۔ اس میں فنکارہ نے اپنی ہوشیاری سے افسانے کے انجام کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بقول کرشن چندر:

> ''کبھی کبھی تو افسانے کے قریب اختتام ہونے تک اس کی سمت کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یکا یک سارا افسانہ اس تیزی سے گھوم کر حرف مطلب پر واپس آجاتا ہے کہ یکا یک پڑھنے والے کو حیرت مسرت میں مبدّل ہو جاتی ہے۔ ساری جزئیات صحیح، روشن، متناسب اور برمحل معلوم ہوتی ہیں۔ جذبات کردار سے کردار ماحول سے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس فن کی بہترین مثال بھول بھلیاں ہے''۔[۱]

---

[۱] کرشن چندر، بلاخیزی، مضمون چوٹیں، رویناس بکس لاہور، ص ۱۰۸۔

عصمت چغتائی نے بھول بھلیاں میں منظر نگاری کو بہت ہی خوبی سے دکھایا ہے یہ عام افسانوں سے الگ ہے۔ اس افسانے میں محض صبح کی روشنی اور چمکیلی ضحیٰ یا شام کے سائے نہیں پیش کرتیں۔ ان کے افسانوں میں معاشرے کے مصرعے ہوتے ہیں۔ جو بھی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس کو وہ بہت ہی خوبی سے بنھاتی ہیں۔ اس تصویر کو پیش کرنے میں عصمت چغتائی کا فلسفہ حیات کا رفرما رہتا ہے وہ موضوع کو جاندار بنانے کے لئے منظر کشی اچھی طرح کرتی ہیں۔

نفرت :

نفرت افسانوں کا ایک اچھا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ نفرت کا کینوس بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کردار کے چند پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں بچپن سے لے کر بڑھاپے کے سفر کے علاوہ انسان کے مرجانے کے بعد جنت تک کے جانے تک کا تصوراتی حال بتایا ہے۔

اس افسانے کی کہانی اس طرح ہے کہ منو اور فخرن دو بچے ہیں۔ دونوں کے مزاج میں بہت فرق ہے۔ منو فخرن کو شروع ہی سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ نفرت بڑھتی چلی جاتی ہے اور مرتے وقت تک قائم رہتی ہے۔ بلکہ مرنے کے بعد جنت میں بھی اس کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔

> ''اسے تو اسی دن سے اس سے نفرت ہوگئی تھی جس دن ممانی رات بھر چیخی تھی اور صبح چار بجے وہ پیدا ہوئی تھی لوگوں نے اس سے کہا کہ بچی کو ہسپتال کی میم صاحب دے گئی تھیں۔ مگر وہ ان بہلاؤں میں ذرا کم آتا تھا۔ اور ہسپتال کی میم صاحب جلے کنڈے کی شکل کی چمگادڑ معلوم ہوتی تھیں وہ اتنی لال کتر بچی لا ہی نہیں سکتی تھی''۔[۱]

اس بچی کو وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے اس کا رونا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ اس کے رونے پر کھسیا جاتا تھا لیکن اس کی ماں اس کو بہو بنانا چاہتی ہے یہ بات اسے پسند نہیں۔ اس بچی سے نفرت اور

---

[۱] ایک بات، افسانہ، نفرت، عصمت چغتائی، ص ۳۹۔

بڑھ جاتی ہے۔ وہ دعا مانگتا کہ اس کی طبیعت خراب ہو جائے وہ یہ سوچتا تھا کہ وہ کسی طرح مر جائے۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اس کی نفرت اور زیادہ بڑھتی گئی۔ جب بچی گڑیوں سے کھیلا کرتی تو منو اس کی گڑیا کو جلا ڈالتا۔ وہ اسے برا بھلا کہتی۔ منو ہر وقت اس سے لڑتا رہتا تھا۔ وہ بچی منو کے علاوہ گھر کے سارے بچوں سے لڑتی تھی۔ ایک دن فخرن سے اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں منو بھیا سے شادی نہیں کرونگی۔ لیکن پھر دونوں جوانی کی منزل پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور گھر والے ان دونوں کی شادی بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن شادی کے بعد دونوں میں ایک دن بھی نہیں پٹتی۔ کچھ لمحہ میں منو کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماں کے مرنے کے بعد گھر کی مالکن فخرن بن جاتی ہے۔ اب منو جتنا کماتا ہے وہ ساری منو کی کمائی اپنے پاس رکھ لیتی ہے اور گھر میں جتنا پیسہ خرچ ہوتا ہے اس کا سارا حساب کتاب لے لیتی ہے۔

> ''ماں کے انتقال کے بعد وہ گھر پر طاعون کی طرح چھا گئی۔ ساری تنخواہ کوڑی کوڑی کر کے گنوا لیتی اور پھر خرچ پر وکیلوں جیسے سوالات کرتی اور قابل اطمینان حساب دینے پر بھی وہ مشکوک نظروں سے دیکھتی'' [۱]

نفرت کے کردار فخرن منو اور میم صاحب، ساجد، رفیق، محمود، وغیرہ ہیں۔ لیکن ان کے مرکزی کردار ہیں فخرن اور منو ہیں۔ فخرن کا کردار بہت ضدی ہوتا ہے وہ اپنی بات کو ٹال نہیں سکتی۔ اس کی شادی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کی ضدی پن ختم نہیں ہوتا۔ وہ اپنی بات جو سوچ لیتی ہے وہی کرتی ہے۔ اپنی بات پر اٹل رہتی ہے۔ اور اپنے شوہر سے ضدی پن کی باتیں کرتی ہے۔ جب اس کی ساس مر جاتی ہے تو وہ پورے گھر کی گھر والی بن جاتی ہے اور گھر میں حکم چلاتی ہے۔ اور گھر پر اپنا قبضہ جمائے رکھتی ہے۔

منو کا کردار اچھا ہے منو فخرن کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن گھر والے اس کی شادی زبردستی کرا دیتے

---

[۱] ایک بات، افسانہ، نفرت، عصمت چغتائی، ص ۶۲۔

ہیں۔لیکن شادی کے بعد بھی دونوں میں لڑائی ہوتی رہتی ہے۔وہ منو اپنی بیوی کو شروع سے ہی پسند نہیں کرتا۔اسی وجہ سے اس کی اپنی بیوی سے نہیں بنتی۔وہ اپنی بیوی پر ہر وقت جھنجھلاتا رہتا ہے۔

نفرت میں عصمت چغتائی نے اچھا پلاٹ بنایا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ جو عصمت چغتائی نے اپنے ذہن میں سوچا وہ سب کچھ بیان کر دیا۔اس میں مکالماتی انداز اپنایا۔اور اسلوب نگارش بہت اچھی کی ہے۔اس میں اسلوب بہت اچھا استعمال ہوا ہے۔فنی نقطہ نظر سے بھی یہ ایک اچھا افسانہ ہے۔

نفرت بھی ہماری سماجی ثقافتی زندگی کی ان اعلیٰ قدروں کی عکاسی کرتا ہے۔جس میں ہماری زندگی بہت دشوار ہوتی ہے۔عصمت نے یہ افسانہ اس لئے لکھا ہے کہ متوسط طبقے کے لوگوں کے بارے میں اور لوگوں کو بھی علم ہو۔کہ وہ معاشرتی زندگی کیسے گزاریں۔عصمت چغتائی کے چھبتے ہوئے جملے بھی افسانے میں مل جاتے ہیں۔پیار محبت کے علاوہ نفرت بھی جھلکتی ہے۔نفرت کا اردو میں ہی شمار نہیں ہوتا بلکہ اور دنیا کی کسی بھی زبان کے لئے یہ ایک نئے طرز کا افسانہ ہے۔اس میں دنیا میں رہنے کے بعد موت اور اس کے بعد جنت کا حال بیان کر کے عصمت نے اپنی فنی بصیرت کا ایسا نادر اور لازوال نمونہ پیش کیا۔جو کسی اور افسانہ نگار کی سوچ فکر سے خالی تھا۔

جوانی :

اس افسانہ میں عصمت نے غربت اور جہالت کو موضوع بنایا۔اور کثرت اولاد کی صحیح نشو ونما نہ ہونے کو اجاگر کیا ہے کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے۔کہ ایک بچہ جس کا نام جنوں ہے اس کے ماں باپ کے بہت اولادیں ہیں جن کی نشو ونما و تربیت نہیں ہو پاتی۔اس کا نقشہ عصمت نے اس طرح کھینچا ہے کہ۔

غرض یہ کہ کچھ سالوں میں بچوں کی فوج کھڑی کر دیتے ہیں۔جال کے ذریعہ عصمت چغتائی یہ بتانا چاہتی ہیں۔جب گھر میں اولادیں زیادہ ہوتی ہیں تو گھر کی آمدنی کم دکھائی دینے لگتی ہے۔یعنی

پیسے کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے ان کے ماں باپ کے پاس بچوں کو کھانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے جس سے کہ وہ بچوں کا پیٹ بھر دیں۔ اور نا ہی ان کے پاس بچوں کو اچھی تعلیم دلانے اور ان کا خرچ اٹھانے کی حیثیت ہوتی ہے ایسے بچوں کو اوڑھنا، بچھونا تک نصیب نہیں ہوتا۔ پھر ایسے بچوں کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ جنو اور اس کا بھائی و بہن جاڑوں میں کسی طرح اپنا گزر بسر کرتے ہیں۔ عصمت چغتائی کے الفاظوں میں ہے۔

''جاڑوں میں بھینسوں کے گوبر کی سڑانڈ بچی کھچی سانی کی بو کے درمیان پھٹے ہوئے گودڑ میں اس سرے سے اس سرے تک جیوہی جیو لیٹ جاتے پھٹی ہوئی روئی کے گھٹل اور پرانی بوریاں جسم کے قریب گھسیٹ کر ایک دوسرے میں گھسنا شروع کر دیتے تا کہ کچھ تو سردی دے۔ اس بے سروسامانی میں بھی کیا مجال جو بچے نچلے بیٹھیں۔ رسولن ہنگوا کی ٹانگ گھسیٹتی اور نتھو موتی کے کولہے میں کاٹ کھاتا۔ اور کچھ نہیں تو شبراتی ہی گھسیٹ کر اتنی گدگدی کرتا کہ سانس پھول جاتی۔ وہ تو جب ماں گالیاں دیتی تب ذرا سوتے۔ رات کو وہ افراتفری پڑتی کہ کسی کا سر تو کسی کا پیر کسی کو اپنے جسم کا ہوش نہ رہتا۔ پیر کہیں تو سر کہیں۔ بعض وقت اپنا جسم پہنچاننا دشوار ہو جاتا۔ رات کو کسی کی لات یا گھونسے سے چوٹ کھا کر یا ویسے ہی جسموں کی بدبو سے اکتا کر اگر بچہ چوں بھی کرتا۔ ماں ڈائن کی طرح آنکھیں نکال کر چیختی اور فریادی بسور کر رہ جاتا۔ اور جنو تو سب سے بڑی تھی''۔[۱]

جب بچے اتنے زیادہ ہو تو ماں باپ ان کی دیکھ بھال کیسے کر سکتے ہیں۔ ایسے بچے اپنے صحیح راستوں سے بھٹک کر غلط راستے پر چل پڑتے ہیں جیسے جنو اپنی ماں کی بے توجہ ہی کی وجہ سے صحیح راستے

---

[۱] کلیاں، افسانہ، جوانی، عصمت چغتائی، ص ۸۷۔

سے بھٹک جاتی ہے۔عصمت عورتوں کی زبان کو بہت اچھے طریقے سے پہچانتی ہیں۔ بہت اچھے طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ وہ جو بھی کردار پیش کرتی ہیں ایسی زبان پیش کرتی ہیں۔مثال کے طور پر جنو کی ماں کے الفاظ میں :

''اری یہ تجھے ہو کیا گیا ہے رانڈ؟ ماں نے اسے پژمردہ دیکھ کر پوچھ لیا۔اور وہ اسے بے طرح ٹٹولنے لگی۔جنو کے بہت گدی گدی ہوئی حرامزادی یہ کس کا ہے؟ اس نے اس کی چوٹی اینٹھ کر کہا۔'کیا؟؟ جنو نے ڈر کر پوچھا۔ ارے.....یہی تیرے کرتوت بچہ بنتی جاتی ہے۔حرامخور....اس نے جنو کو اتنا مارا کہ ڈھائی سیر گھی پھیکنے پر بھی نہ مارا ہوگا۔ اور خود اپنا سر کوٹ ڈالا''۔[۱]

عصمت اس افسانے کے ذریعہ یہ بتانا چاہتی ہیں جن کی اولادیں بہت ہوتی ہیں وہ ماں باپ کی تربیت سے دور ہو جاتی ہیں اور اکثر اپنے راستوں سے بھٹک جاتی ہیں۔ایسے راستوں پر چل پڑتی ہیں جس کا کوئی خاتمہ نہیں۔سماج میں ایک سنگین صورت حال اختیار کر لیتی ہیں۔لیکن سماج میں آج بھی کوئی اس طرف توجہ نہیں ہے۔آج بھی لوگ ان گنت اولادوں کے ماں باپ ہیں۔عصمت ان گنت اولاد کے خلاف نہیں تھیں۔ بلکہ ان کا ماننا تھا کہ اولاد اتنی ہونی چاہئے جس کے ماں باپ ان کی اچھی پرورش کر سکیں اور سماج میں اچھا مقام دلا سکیں یعنی بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی طرح ہو سکے۔زیادہ اولاد ہونے سے ماں باپ بچوں کی پرورش پر دھیان نہیں دے پاتے۔وہ اپنی قوم کو خاص طور پر یہ صلاح دینا چاہتی ہیں کہ وہ اولادوں کو تعلیم کے ان میدان میں بھیج دیں جہاں سے بچہ بہترین تعلیم یافتہ انسان بن کر واپس لوٹتا ہے۔

اس افسانے کی پیشکش اتنی خوبصورت ہے کہ قاری ہر جگہ اپنے فن اور آرٹ میں اتنا ڈوب

---

[۱] کلیاں،افسانہ،جوانی،عصمت چغتائی،ص ۷۸۔

جاتا ہے کہ اصل مسئلے کی جانب سے اس کا ذہن ہٹ جاتا ہے دراصل عصمت نے اس کے جوانی کے نام سے منصوب کر کے قاری کے اصل مسئلے سے اس کی توجہ ہٹا دی ہے۔ اس سے قاری کا ذہن اس کی فنی چابکدستی اور زبان بیانی کی چاشنی میں زیادہ مرغوب ہو جاتا ہے اور اسکو افسانے کا مرکزی خیال بھی نہیں رہتا۔ جب یہ افسانہ اپنی اختتامی منزل کو پہنچتا ہے تو اس کا احساس غائب ہو جاتا ہے۔

عصمت کی فن کاری کا یہ ایک شاندار مرقع ہے۔ اس کے مطالع سے ایک بات تو وسیع ہو جاتی ہے۔ کہ عصمت کا مطالعہ یا مشاہدہ ایسے گھروں کا زیادہ ہے۔ جہاں لوگ غلاظت اور جہالت گھٹن کی زندگی جی رہے ہیں۔ انھوں نے اس بارے میں غور کیا کہ ایسے لوگ کیا سوچتے ہیں کیا چاہتے ہیں اور ان کی اپنی زندگی کا مقصد کیا ہے وہ کیسے جیتے ہیں اس پورے افسانے میں یہی بات کہی ہے کہ ایسا شخص اپنی پوری زندگی گھٹ گھٹ کر اور اپنے آپ کو مار مار کر جیتا ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانے عموماً ان کے تجربات و مشاہدات پر بسے ہوئے ہوتے ہیں اکثر وہ ان میں اپنی ذات، سہیلیوں اور جان پہچان کے لوگوں کو شامل کر لیتی ہیں۔ عصمت نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان میں بچوں کی نفسیات، طلبہ و طالبات کی سنجیدہ شرارتیں شامل ہیں۔

سونے کا انڈا :

اس افسانہ میں انھوں نے دکھایا ہے کہ۔ لوگوں کے گھر میں جب لڑکے پیدا ہوتے ہیں تو بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں شادیانے بجنے لگتے ہیں۔ اور جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو ان لوگوں کے گھروں میں اداسی چھا جاتی ہے اور سب افسردہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح بندو میاں کے یہاں ایک کے بعد تیسری بچی پیدا ہوئی ہے تو ان کے گھر کے تمام لوگ افسردہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ارمانوں پر پانی پڑ جاتا ہے۔ جس کی ذر سے دادا اور دادی بھی محفوظ نہیں رہ پاتے۔ عصمت لکھتی ہیں :

''دادا کی سفید داڑھی پر اوس پڑ گئی اور دادی کے ارمانوں کا شیرازہ ہوا میں اڑ

گیا۔ دائی مائی موٹی موٹی گالیاں عورت ذات کے جنم میں تھوکنے لگیں۔ اس کا بس چلتا تو وہ ایک سرے سے عورت کی پیدائش کا گلا ہی گھونٹ دیتی اس بیج کو ہی دنیا سے مٹا دیتی۔ اللہ ماری رات کے تین بجے اور پھر خاک پڑی اور نصیبوں جلی لونڈیا ----- اور پھر نصیبوں جلی لونڈیا ------- اور پھر نصیبوں جلی لونڈیا----''۔ [۱]

اس کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بندو میاں بھی بچوں کی پیدائش پر غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں افسوس ہوتا ہے۔ کہ ایک نہیں تین تین لڑکیاں پیدا ہو گئیں۔ وہ ہر وقت سوچتے رہتے ہیں کہ بچیوں کی شادیاں کیسے ہونگی۔ اور ان کی شادی کے لئے جہیز کہاں سے آئے گا۔ اتنے زیادہ پیسے کا انتظام کیسے ہوگا۔ وہ اس بات کو سوچتے ہوئے لرز جاتے ہیں۔ ان کا دل کرتا ہے کہ تینوں کا گلا گھونٹ دیں تو قصہ ہی ختم ہو جائے اس کے بارے میں عصمت چغتائی کہتی ہیں :

''صحنچی کے سامنے پڑی کھاٹ پر بندو میاں سر پکڑے ایسے بیٹھے تھے جانو ڈاکو ان کے گھر میں مل پھوڑ کر در آئے ہیں اور ان کی نو مہینے کی جمع پونجی کو آگ لگا کر ایک لاکھ کا ڈھیر بنا گئے ہیں۔ یہ تیسرا گھاؤ تھا.....ان کی جان حزیں پر .....ایک سہا.....دوسرا سہا..... پر اس تیسرے چرکے نے ان کی کمر دوہری کر دی۔ ایک نہیں تین بیٹیاں ایسی دھسی ہوئی چھاتی پر تین پہاڑ.....تین باراتیں.....تین دولہاؤں کے سونخرے.....تین جہیزوں کے تین ہزار طنطنے۔ جیسے تین لمبی ناگنیں ان کے گردن کی طرف زبانیں لپلپاتی بڑھی چلی آ رہی ہوں۔ رہ رہ کر ایک دبی ہوئی خواہش پھن اٹھاتی کہ ایک بار جی کڑا کر کے ان تینوں ناگنوں کا گلا گھونٹ ڈالیں''۔ [۲]

---

[۱] چھوئی موئی، افسانہ ،سونے کا انڈا، عصمت چغتائی، ص ۱۷۸۔

[۲] چھوئی موئی، افسانہ ، سونے کا انڈا ، عصمت چغتائی،ص ۱۴۴-۱۷۳۔

بندو میاں کی بیوی اپنے آپ کو کوستی رہتی ہے اور وہ سوچتی ہے کہ میں بانجھ تو ہوں نہیں پھر کیوں یہ سب لوگ ان لڑکیوں سے خفا رہتے ہیں۔ میں نے کسی کی دولت نہیں چھینی کسی کو برا نہیں کہا پھر بھی وہ یہ سوچتی ہے کہ وہ تینوں لڑکیوں کو لے کر اس شہر سے کہیں چلی جائے۔ جہاں لڑکیوں کو بوجھ نہ سمجھا جائے۔ وہ ان کو سینے سے لگائے رہتی ہے اور ان کو کسی سے بیان نہیں کرتی۔ بلکہ وہ برداشت کرتی رہتی ہیں۔ حالانکہ وہ ایک عورت ہی نہیں بلکہ وہ ایک ماں بھی بن کر سامنے آتی ہے۔ یہاں عصمت یہ دکھانا چاہتی ہیں کہ عورت جب ماں بن جاتی ہے تب بھی اس کو سماج کا شکار بننا پڑتا ہے اور بیٹیوں کے پیدا ہونے پر کس طرح اپنے ظلم کا قہر توڑ دیتا ہے کیونکہ ان کے گھر والے مر جانے تک کی حد سوچ لیتے ہیں۔

عصمت چغتائی نے مسلم متوسط طبقے میں رہنے والے آدمی کی زبان کو اس افسانے میں پیش کیا ہے۔ عصمت چغتائی نے ایسے سماج میں رہنے والی عورتوں کی زندگی کو بھی اجاگر کیا ہے۔ کہ وہ سماجی زندگی کسی طرح گزارتے تھے۔ اس میں انھوں نے سماجی زندگی کا خوبصورت مرقع پیش کیا ہے۔ جو ہمارے سامنے ضمنی کردار کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ ان کے کرداروں سے افسانے میں جان پڑ جاتی ہے۔ اگر کردار اچھے ہوں تو افسانہ اچھا ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں بندو میاں کا کردار بہت اہم ہے۔

اس افسانے کا دوسرا کردار بندو میاں کی بیوی کا ہے وہ بھی بہت سیدھی ہیں۔ ہر وقت لڑکیوں کے بارے میں برا بھلا سنتی ہیں۔ وہ بہت رنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ ان کا دماغ ہر وقت گھر والوں کی باتوں سے پکتا رہتا ہے۔ ایک دن یہ سوچتی ہیں کہ ان تینوں لڑکیوں کے لے کر کہیں چلی جائیں۔ جہاں اس گھر سے نجات مل جائے اور لڑکیاں خوشی سے رہ سکیں۔

اس افسانے سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کی نفسیاتی زندگی کس طرح کی ہوتی ہے اس سے عصمت

چغتائی کا ذہن کس طرح ڈھلتا ہے۔عصمت چغتائی نے عورت کی نفسیات کا تجزیہ بہت ہی اچھی طرح کیا ہے۔انھوں نے عورت کی سماجی زندگی کے کرب و اضطراب اور اس سے پیدا شدہ مسائل کی عکاسی اپنے بیشتر تخلیقات میں کی ہے۔عصمت نے فی الحقیقت اس افسانے کو داخلی رپوتاژ کی شکل میں پیش کیا ہے۔اس افسانے کو پڑھ کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عصمت نے اس افسانے میں اپنے ذاتی تجربات بھی پیش کیے ہیں۔یعنی جوان کی زندگی میں واقعات پیش آئے۔ان کو بھی افسانوں میں پیش کر دیا۔وہ ان واقعات کو اتنے خوبصورت انداز میں پیش کر دیتی ہیں۔کہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ سب ان ہی کے واقعات ہیں یا پھر انھوں ان واقعات کو دیکھا ہے۔لیکن عصمت چغتائی نے زیادہ تر واقعات اپنی زندگی میں دیکھے تھے۔یا پھر وہ ایسے واقعات ہیں جو ایک مسلم متوسط طبقے میں ہوتے ہیں۔

کلو کی ماں :

یہ افسانہ بیوہ عورت کے مسائل پر لکھا گیا ہے کہ بیوہ عورتیں کس طرح اپنی زندگی گزارتی ہیں۔ جب اس کا شوہر مر جاتا ہے تو اس کو کن کن سماجی برائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لوگ ان کو کیسی کیسی نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر وہ کیا محسوس کرتی ہیں۔وہ سب باتیں اس افسانے میں مل جاتی ہیں۔

کلو کی ماں جب جوان ہوتی ہے اس جوانی میں ہی اس کے شوہر کی موت ہو جاتی ہے۔شوہر کی موت کے بعد اسے پیسے کی پریشانی ہوتی ہے اور اس کو پیسے کا سہارا رشتہ دار دیتے ہیں۔کلو کی ماں کے بارے میں عصمت چغتائی لکھتی ہیں۔

> ''کلو کی ماں ویسے ہمارے دور کی خالہ تھی۔پڑوسیوں کو خالہ کہہ لیتے ہیں۔پر انھیں خالہ کہتے عارسی آتی۔امتیازی کو نہ کہنے پر کلو کی ماں ضرور رکھتے گرتے گرتے ان کی پوزیشن نوکروں، جیسی ہوگئی تھی۔وہ جہاں بھی جائیں دو چار دن کی مہمان دادی کے بعد لوگ دھیرے دھیرے انھیں ڈھب پر لے

آتے۔ ماما کھسکا دی جاتی اور وہ بغیر تنخواہ کے صرف پھٹے پرانے کپڑے اور
روٹی پہ ماما کا عہدہ سنبھال لیتی۔ میاں لام پر گئے کہ نہ جانے کسی کی گولی کھا کر
ڈھیر ہو گئے''۔[۱]

عصمت کے مطابق وہ جس گھر میں رہتی ہیں اپنا گھر سمجھ کر سب کی خدمت کرتی ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچتی کہ میں پیسے سے خدمت کروں۔ بس وہ چاہتی ہیں کہ کلو کی پڑھائی کسی طرح ہو جائے۔ اور کلو کسی طرح کامیاب ہو جائے کسی لائق بن جائے۔ وہ جانتی ہے کہ جو خوشی اسے شوہر کے سامنے نصیب نہیں تھی اور کلو اس کی خواہشات کو پورا کر دے۔ لیکن کلو بے چارا ڈیوٹی کرتا رہتا ہے اسے پڑھنے کا کوئی وقت نہیں ملتا۔ ان حالات سے اس کو اپنا خواب چکنا چور ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔ اس کے پڑوسی نواب صاحب ہیں۔ نواب صاحب ایک بیمار آدمی ہیں وہ ان کی بھی خدمت کرتی ہیں نواب صاحب سات روپیہ مہینہ دیتے ہیں۔ اور دو جوڑی کپڑے دے دیتے ہیں۔ کلو اور کلو کی ماں ان کی خدمت میں جٹ جاتے ہیں۔ ان کا بہت دھیان رکھتے ہیں۔ ان کی خدمت سے نواب صاحب کی طبیعت ٹھیک ہوتی جاتی ہے۔ نواب صاحب کلو کے ساتھ بہت ہی محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور اسے تعلیم دلوانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ نواب صاحب کلو کی ماں کے نام بہت سارا پیسہ کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کے محلے والے جلتے ہیں۔ لیکن کچھ دن بعد ان کا منھ بھی بند ہو جاتا ہے۔

کلو کی ماں ایک شاندار افسانہ ہے۔ جس کو عصمت نے بہت شاندار طریقے سے لکھا ہے۔ جو بیوہ عورتوں کی اقتصادی و بدحالی زندگی کو کو پیش کرتا ہے کہ ان کے سامنے کسی طرح کی اقتصادی پریشانی آتی ہیں۔ کس طرح پریشان ہوتی ہیں۔ عصمت نے اس افسانے کے ذریعہ بیوہ عورتوں کے مسائل کو صحیح کرنے کی کوشش کی ہے ساتھ ہی بیوہ عورتوں کی سماجی زندگی کو مستحکم بنانے پر زور دیتی ہیں۔ اس

---

[۱] دو ہاتھ ، افسانہ ، کلو کی ماں ، عصمت چغتائی ، ص ۶۴۔

کے علاوہ ان لوگوں کے بارے میں بھی بتایا ہے جو بیوہ عورتوں کی مخالفت کرتے ہیں۔اور بیوہ عورتوں کو اچھی طرح زندگی گزارنے نہیں دیتے۔ایسے لوگوں پر سخت تنقید کی ہے۔اس افسانے میں عصمت چغتائی کا شعور ایک نئے روپ کو اُجاگر کرتا ہے۔اسی سے ترقی یافتہ معاشرہ کی زندگی کی نمائندگی ہوتی ہے۔

بے کنڈے کی پیالی :

عصمت کا بے کنڈی کی پیالی ایک اچھا افسانہ ہے۔اس افسانے میں پیرو کی منگنی سکینہ کے ساتھ ہوتی ہے۔اس منگنی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔وہ ایک بات زیادہ غور وفکر کے ساتھ کہتی ہیں۔کہ اگر ہم بچوں کو مذہبی وسماجی تعلیم دیں تو مسلم متوسط طبقے کی پسماندگی دور ہوسکتی ہے۔عصمت چغتائی کیونکہ وہ بھی اسی طبقہ سے وابستہ تھیں۔اسی لیئے اس طبقہ کے بارے اچھی طرح جانتی تھی۔عصمت چغتائی کی خواہش تھی کہ مسلم متوسط طبقے کسی طرح بلندی پر پہنچ جائے چاہے وہ تعلیم کا ہو۔مذہب کا یا سماج کا وہ ہر طریقے سے اس کو بلندیوں پر دیکھنا چاہتی تھیں۔اگر عصمت چغتائی کا تعلق اس طبقے سے نہ ہوتا کہ شاید اتنی شدت ان کے احساسات میں نہ ہوتی۔

عصمت چغتائی کا یہی افسانہ متوسط طبقہ کی فلاح و بہبود کا ضامن نہیں۔بلکہ ان کی ہر تخلیق متوسط طبقہ کی سیاسی سماجی، اور تعلیمی، مذہبی آزادی کا اشارہ دیتی ہیں۔عصمت بھی ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ مسلم متوسط طبقہ ہمیشہ ترقی کی راہ پر ہو تا کہ ان کے اندر جو جہالت بھری ہے وہ ختم ہوجائے۔اور وہ بھی ایک ترقی یافتہ طبقہ کہلائے۔اگر اور بہت لوگ اس پر آواز اٹھائیں تو جتنی خرابیاں اس طبقے میں موجود ہیں وہ ساری خرابیاں ختم ہوجائیں گی۔اور ان خرابیوں کا نام ونشان ہی نہ رہے گا۔اور ایک بہت ہی بڑا سماجی مسئلہ حل ہوجائیگا۔سماج میں جو برائیاں ہورہی ہیں وہ اس سماج کو ان برائیوں سے نکالنا چاہتی ہیں۔اور یہ بھی چاہتی ہیں کہ یہ طبقہ بھی اور طبقوں کی طرح بلندیوں پر پہنچ جائے۔بے

کنڈے کی پیالی کولکھ کر یہ ثابت ہوگیا ہے کہ انھیں مسلم متوسط طبقے سے بہت زیادہ پیار تھا۔اور وہ اسے بلندیوں پر لانا چاہتی تھیں۔

بے کنڈی کی پیالی کے مرکزی کردار تین ہیں۔پیرو میاں،سکینہ،اور دنا۔سکینہ، پیرو کی چچا زاد بہن ہے۔پیرو اور سکینہ کی منگنی بچپن ہی میں ہو جاتی ہے۔سکینہ عمر میں کافی چھوٹی ہے۔پیرو میاں کو سکینہ کے جوان ہونے کا بے قراری کے ساتھ انتظار رہتا ہے۔اور جب وہ دن آتا ہے کہ سکینہ جوان ہو جاتی ہے تو دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں۔سکینہ ان سے بہت دور چلی جاتی ہے۔انھیں دنوں ملک تقسیم ہو جاتا ہے۔سکینہ کے والد نور محمد اپنے بچوں سمیت پاکستان چلے جاتے ہیں۔جاتے وقت پیرو کی ماں نور محمد سے کہتی ہیں کہ بیٹی جوان ہوگئی ہے اس کی شادی کر کے جاؤ۔نور محمد کہتے ہیں کہ وہاں رہنے نہیں جا رہے ہیں۔دو سال بعد واپس آجائینگے۔تو اطمینان سے شادی ہوگی۔زور اسلامی ملک دیکھنے جا رہا ہوں۔یہاں تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ملک تقسیم ہوا ہے۔لیکن جب وہ پاکستان چلے جاتے ہیں تو وہاں سے واپس نہیں آتے۔بعد میں پیرو کو پتہ چلتا ہے کہ اس کے باپ زمین بھی بیچ گئے ہیں۔اور وہ دو سال بعد بھی واپس نہیں لوٹینگے۔تو پیرو میاں کو بہت زیادہ فکر ہو جاتی ہے۔پیرو میاں ایک سال تک ان کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔اور پھر بھی ایک سال بعد واپس نہیں آتے۔تو ان کی فکر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ان کو تلاش کرنے کے لے وہ پاکستان چلے جاتے ہیں۔وہاں جا کر وہ انھیں بہت تلاش کرتے ہیں۔لیکن ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔اور وہ واپس آجاتے یں۔وہ یہ سوچتے ہیں کہ سکینہ ان کی ہے اور انکی رہے گی۔انھیں اپنے چچا کی زبان پر یقین ہے۔ان کے خیال میں شرفاء کی زبان ایک ہوتی ہے دو نہیں۔انھیں اپنے چچا کے اوپر پورا اعتماد ہے ان کے چچا ان کو دھوکا نہیں دینگے۔لیکن پیرو کی ماں ان کی شادی کرنے کہیں اور سوچتی ہیں لیکن پیرو میاں شادی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں صرف سکینہ بسی ہوئی ہے۔پھر ماں بھی مر جاتی ہے ماں کے انتقال

کے بعد ان کے بھائی زمین جائیداد بھی ہتھیا لیتے ہیں۔ اب پیرو میاں اکیلے رہ جاتے ہیں۔ دنا ہی ان کا سہارا ہوتا ہے۔ دنا ایک لاوراث بچہ ہے۔ دنا زات کا مہتر ہے۔ دنا کے ساتھ رہنے سے ان کے بھائی اسے اپنے سے الگ کر دیتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ رہنے لگتے ہیں۔ پھر کسی پاکستان سے آنے والوں سے پتہ چلتا ہے سکینہ کی شادی نواب سے ہو چکی ہے۔ لیکن انھیں یقین ہی نہیں آتا۔

اس خبر سے پیرو میاں کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ گاؤں چھوڑ کر شہر آ جاتے ہیں۔ اس اثنا میں یہ سوچتا ہے اگر کوئی تجارت کر کے میں بھی بڑا آدمی بن جاؤں۔ تو شاید میری سکینہ مجھے واپس مل جائے۔ اور وہ شہر چلے جاتے ہیں۔ کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ دنا اور پیرو میاں ایک ساتھ رہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ جیسے پیرو میاں پیالی ہوں اور دنا کنڈا ہو۔ لیکن دنا بھی مر جاتا ہے۔ اور پیرو بے کنڈے کی پیالی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایک دن صبح اٹھتے ہیں کہ دنا کو پکارتے ہیں انھیں کوئی جواب نہیں ملتا۔

> ''دنا ارے دنا۔ انھوں نے پکارا، پھر ان کا دل دھک سے ہو گیا۔ جو ہیٹر کے پاس کو کوئی کالی چیز پڑی تھی۔ کوئی بکری مر گئی۔ رات کو باہر رہ گئی ہو گی.... مگر جی نہ مانا انھوں نے بورا اوڑھ کر اس کالی شے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔
>
> دنا کنڈے کی طرح پڑا ہوا پڑا تھا۔ اس کے سر سے خون نکل کر جم گیا تھا۔ ہاتھوں میں آٹے سے جوڑی ہوئی پیالی اب تک دبوچے ہوئے تھا۔ اسی کے جوڑ کھل گئے تھے۔ انھوں نے اسے اٹھایا مگر وہ اکڑ چکا تھا۔ انھوں نے بوری اتار کر اس پر ڈال دی۔
>
> دوپہر کو پانی تھم گیا۔ اور دھوپ نکل آئی۔ جب دنا کو آگ دی گئی۔ تو پیرو میاں منھ موڑے دیوار سے لگے بیٹھے رہے۔ دھیمی دھیمی آنچ ان تک پہنچ رہی تھی۔ دنا انھیں اپنی آخری گرمی دے رہا تھا۔

دور سے انھیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا ایک میلی سی خالی چائے
کی پیالی دیوار سے لگی رکھی ہے۔ جس کا کنڈہ ٹوٹ گیا۔'' [۱]

اس افسانے میں بہت سارے کردار ہیں۔ لیکن سب سے متحرک کردار پیرو میاں اور دنا کا ہے۔ پیرو میاں کا کردار بہت ہی اچھا کردار ہے۔ دنا کا کردار مہتر کا ہے۔ لوگ دنا سے نفرت کرتے ہیں۔ دنا سے دوستی کی وجہ سے پیرو میاں کو اس کے بھائی اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ دنا بھی پیرو میاں سے بہت محبت کرتا ہے۔ کیونکہ اسے صرف دنا ہی اچھا لگتا ہے۔ دنا شہر میں بھی ایک ہی ساتھ رہتے ہیں۔ اور دونوں ترقی کرنا چاہتے ہیں لیکن دنا کچھ لمحے رہتا ہے۔ رخصت ہو جاتا ہے۔ اور پیرو میاں اکیلے رہ جاتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے اس افسانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماجی قوانین اور مذہبی رسم و رواج کو بالائے طاق رکھ کر زندگی کی حقیقتوں کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ جس کے ذریعہ انسانی زندگی خوشگوار اور مہذب بن سکتی ہے۔ حیات انسان کی فضول باتیں انسان کی ترقی میں روکاوٹ ہوتی ہیں۔ تو متوسط طبقہ اگر ان باتوں کو ختم نہیں کرے گا تو بہت پیچھے رہے گا۔ اور ترقی نہیں کر پائے گا۔ اور لوگ اس طبقہ کو جلدی ہی ختم کر دینگے۔ عصمت چغتائی کے اس افسانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے وہ کسی ایک فرد یا معاشرہ کے کرب واضطراب کے غمازی نہیں کرتیں۔ بلکہ پورے عالم انسانیت کی خوفناک تصویر کو سامنے لانا چاہتی ہیں۔ تاکہ بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک اس جانب اپنی توجہ مرکوز کریں۔ اور اس کا ایک قابل قبول حل تلاش کر کے اس طبقہ کے ساتھ انصاف کریں۔ بالخصوص دانشور طبقہ کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کرنا ضروری ہے کیونکہ مسلم متوسط طبقہ خاص طور پر اس کا شکار ہے۔ کنڈے کی پیالی میں خاص طور پر اس بات کا ظاہر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ انسانی دوستی سب سے بڑی دولت ہے۔

[۱] آدھی عورت آدھا خواب، افسانہ، بے کنڈی کی پیالی، عصمت چغتائی، ص ۱۰۸-۱۰۷۔

انسان کے اندر انسانیت ہونی چاہئے اور اگر انسانیت نہیں ہوگی تو سارے لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرینگے۔اس کے لئے کسی ایک ذات کا ہونا ضروری نہیں۔دوستی کسی بھی ذات سے ہوسکتی ہے۔ اور کسی شخص سے چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہو۔دوستی میں امیر اور غریب نہیں دیکھا جاتا۔سب سے بڑی دولت دوستی اور انسانیت ہوتی ہے۔دوستی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوتی۔جو کسی بھی ذات سے مل سکتی ہے دنا ایک نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی پیرو میاں کو اپنی زندگی کا ایک حصہ تصور کرتا ہے۔جس سے انسانی دوستی کو فروغ ملتا ہے۔عصمت اس افسانے کے ذریعہ انسانی دوستی کا درس پوری دنیا کو دینا چاہتی ہیں۔جس کی بنیاد آزادی ہے۔

بیمار :

بیمار عصمت چغتائی کا ایک اچھا افسانہ ہے۔یہ افسانہ نفسیاتی مریض کے بارے میں کہا گیا ہے ایک مریض کی زندگی کس طرح کی ہو جاتی ہے کہ اس کو گھر جہنم لگنے لگتا ہے۔اور اپنے ہاتھ سے اپنی قبر بنالیتا ہے۔مریض جو بالکل مرنے سے قریب ہے اور طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہے۔اسے ایک شک ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی پڑوس میں ایک صاحب سے عشق کرتی ہے۔یہاں تک کہ اپنے بچے کو پڑوسی کا بچہ کہتا ہے۔بقول فردوس فاطمہ نصیر :

> ''عصمت چغتائی نے بیمار میں ایک قریب الموت مریض کے واہمہ کا نقشہ کھینچا ہے۔اس کے دماغ پر طرح طرح کے وہم حاوی ہوتے چلے جاتے ہیں ان میں سے ایک کی شدت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ وہم مجسم ہو کر اس پر مسلط ہو جاتا ہے۔وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی نوجوان بیوی پڑوسی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے یہاں تک کہ اسے بیوی کے پیٹ میں صاف صاف پڑوسی کی شکل کے بچے نظر آنے لگتے ہیں''۔ [۱]

---

[۱] مختصر افسانے کا فنی تجزیہ، ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر، ص ۱۸۵-۱۸۴۔

کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ایک نوجوان لڑکا ہے اسکی بیوی اور بچے بھی ہیں۔لیکن اب اس کی حالت مریض جیسی ہے۔کیونکہ اس کی بیوی بھی دور رہتی ہے بچے بھی دور رہتے ہیں۔دن پہاڑ بن کر گزرتا ہے۔اور وہ دواؤں کے سہارے جی رہا ہے۔

زیادہ بیماری کی وجہ سے وہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔صرف پڑوسی ہی اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے آتے ہے۔تو انھیں شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔وہ ان کو غلط سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی سے عشق کرتا ہے۔

اس افسانے میں بہت سے کردار ہیں لیکن مریض کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔مریض اپنی بیماری میں بہت ہی دبلا پتلا ہو گیا ہے۔اسے کچھ اچھا نہیں لگتا اسے بس ایک غم کھائے رہتا ہے کہ اس کی بیوی پڑوسی سے عشق کرتی ہے۔اور یہ غم اس کو اندر ہی اندر کھائے رہتا ہے اس لئے اور زیادہ بیمار ہو جاتا ہے اور وہ ہر وقت اپنی بیوی کے بارے میں سوچتا رہتا۔جب کہ اس کی بیوی ایسی نہیں ہے وہ بلا وجہ شک وشبہات میں گرفتار ہو کر اپنی زندگی کو جہنم بنالیتا ہے یہ بھی ایک بڑی سماجی برائی ہے۔س کو عصمت چغتائی بخوبی اپنے اس افسانہ کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی ہے اس افسانے میں انسانی نفسیات پیش کی گئی ہے۔مریض کی نفسیاتی کیفیات کی تصویر کشی کرنے میں عصمت نے کسی بھی پہلو کو نہیں چھوڑا ہے۔

نوالہ :

یہ افسانہ لکھ کر عصمت چغتائی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت آج بھی کسی کی محتاج نہیں۔وہ خود ایک عورت ہیں۔لیکن عورت ہونے کے باوجود مردوں کے برابر پہنچنا چاہتی ہیں وہ جانتی ہیں کہ سماج میں جو ظلم عورتوں پر ہو رہے ہیں ان سے عورتوں کو نجات ملے اور اسے اب سماج میں ذلت اور حقارت کی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔دراصل عصمت چغتائی عورت کو کسی اور روپ میں دیکھنا چاہتی

''مگر جب بھی انھوں نے کسی کو اس خیال سے دیکھا وہ شجر ممنوعہ ثابت ہوا اور اپنی بیوی کی پوشیدہ بیماریوں کا رونا لے بیٹھا۔ کچھ وقت ساتھ گزارنے کیلئے تو بہت سے تیار ملے مگر ہاتھ پکڑ کے نبھانے کے خیال سے بارات لے چڑھنے کا ارمان کسی کے دل میں نہ جھانکا۔ ہاسپٹل میں کبھی کسی نے گہری گہری پراسرار آنکھوں سے انھیں نہ دیکھا۔ کبھی کسی نے انھیں ہٹ کر راستہ دینے کی ضرورت تک نہ محسوس کی لوگ دندناتے نکل جاتے اور وہ آڑی ہو کر دیوار سے لگ جاتی''۔[۱]

ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ وہ گام دیوی کے ناکے پر بس میں سوار ہوتی ہے تو انھیں کوئی خالی سیٹ نہیں ملتی۔ وہ رکاب پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جب انھیں ایک شخص کھڑا دیکھتا ہے تو وہ اپنی سیٹ سے کھڑا ہو جاتا ہے اور انھیں اپنی سیٹ پر بٹھال دیتا ہے۔ وہ شخص اپنی منزل آنے پر بس سے اتر جاتا ہے لیکن وہ یہ سوچتی ہے کہ یہ ہر دن اپنی سیٹ مجھے کیوں دے دیتا ہے۔ لوگ یہ خبر پھیلا دیتے ہیں کہ سرلا بین کو عشق ہو گیا ہے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ کھولی کی عورتیں یہ سوچتی ہیں کہ سرلا بین کو سجا سنوار کر بھیجنا چاہئے تا کہ مردوں کو پھانسنے کے لئے وہ نوالہ بن سکے۔ لیکن جب وہ تیار ہو کر جاتی ہیں تو وہ شخص پہنچانتا تک نہیں ہے۔ وہ اتر کر سیدھا چلا جاتا ہے۔ نا اس کو اپنی سیٹ دیتا ہے کھولی کی عورتیں خاموش رہ جاتی ہیں۔

اس افسانے میں بہت سے کردار ہیں۔ لیکن ان میں سب سے اہم کردار سرلا بین کا ہے۔ سرلا بین اپنی خواہشات کو کسی طرح دباتی ہیں۔ وہ شادی کرنا چاہتی تو ہیں لیکن وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی۔ کیونکہ ان کے ماں باپ نہیں ہیں۔ جن سے وہ شادی کی کہیں۔ وہ صرف دنیا میں تنہا ہیں۔ انھوں نے آج تک کسی سے عشق نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کسی نے عشق کیا۔ وہ اپنی بات کسی سے کہہ نہ پائیں۔ وہ

---

[۱] آدھی عورت آدھا خواب، افسانہ، نوالہ، عصمت چغتائی، ص ۵۹۔

ہیں۔عصمت چغتائی چاہتی ہیں کہ عورت مردوں کا برابر سے مقابلہ کرے۔ان کے ساتھ بیٹھ اٹھ سکے۔ ان کی کسی بھی جگہ حق تلفی نہ ہو سکے اس کو آگے بڑھانے میں عصمت چغتائی کا ہی ہاتھ ہے۔اور سرلا بین جیسی عورت ان کی اس جدہ جہد کا نتیجہ ہے۔

نوالہ کی کہانی اس طرح ہے۔نوالہ میں ایک ایسی عورت ہے جس کا چال چلن بہت اچھا ہے وہ سب سے اچھی طرح ملتی ہے۔اور لوگوں پر مصیبت کے وقت کام آتی ہے جن کا نام سرلا بین ہے۔ سرلا بین بمبئی کے ہوسپٹل میں ایک نرس کا کام کرتی ہے خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ہوسپٹل کے علاوہ اس کے روم پر مریض آتے رہتے ہیں۔اگر کوئی مریض بازار میں مل جائے تو مریض کی خیریت پوچھتی ہے۔سب لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔عصمت اس افسانے میں یہ بتانا چاہتی ہیں۔کہ ایک عورت اپنی ساری خواہشوں کو طاق میں رکھ کر لوگوں کی خدمت میں اپنی زندگی گزارتی ہے۔عصمت کے نزدیک عورت ہمیشہ پیار کی بھوکی ہوتی ہے۔لیکن مردوں نے اس کو ذلیل وخوار کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔عصمت چغتائی اپنے افسانوں میں جو نظریہ پیش کرنا چاہتی ہیں وہ سب سے الگ ہوتا ہے۔ حالانکہ سرلا بین کا کردار عصمت کا ہی نظریہ حیات ہے۔جس میں عورت کا کردار ایک خوبصورت شکل میں سامنے آتا ہے۔سرلا بین کو عصمت نے پیار ومحبت میں رکھا ہے۔جہاں عورت اپنی فطری شکل میں موجود ہے۔

لیکن سرلا بین کو زندگی کی کوئی خوشی نصیب نہیں ہوتی۔وہ ساری خوشیوں سے محروم رہتی ہیں۔ان کی زندگی میں اندھیرا ہے۔وہ دنیا کی ہمدردی کرتی ہے لیکن ان کے دکھ کو بانٹنے والا کوئی نہیں ہے۔ان کی عمر بہت ہو چکی ہے ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔پیسہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے لیکن صرف شوہر کا ساتھ نہیں ہے۔کیونکہ ان کے ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے تھے۔اس لئے اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔وہ صرف تنہا ہے۔اور اپنی زندگی کنوارے پن میں ہی گزار دیتی ہے۔بقول عصمت:

صرف اکیلی زندگی گزارتی ہیں۔ان کا اخلاق بہت اچھا ہے وہ مریضوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتی ہیں۔اور بازار سب کے غم میں برابر کی شریک رہتی ہیں۔لیکن ان کی غم میں شریک ہونے والا کوئی نہیں۔

نوالہ افسانہ لکھ کر عصمت چغتائی یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ایک عورت اکیلے کیسے زندگی گزارتی ہے۔ اور اپنی خواہشوں کو کس طرح ختم ہوتے دیکھتی ہے اس افسانے میں محض عورت کے کرب و اضطراب کو ہی نہیں پیش کیا گیا۔ بلکہ افسانوی ادب کے ان تقاضوں کو پورا کرنے میں وہ کوشاں نظر آتی ہیں۔ جو افسانوی ادب کی بنیادی خرابی ہوا کرتی ہیں۔اس افسانے میں عصمت نے فنی چابکدستی سے کام نہیں کیا ہے۔جس کی وجہ سے یہ افسانہ فن اور تکنیک کی بنیاد پر خاصہ کمزور نظر آتا ہے۔افسانے کا پلاٹ تو اچھا ہے۔لیکن جب اس کو قاری پڑھتا ہے تو اکتا جاتا ہے۔افسانے میں کردار زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ افسانہ ایک کرداری افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔

حالانکہ عصمت چغتائی کی زبان سب سے الگ ہے۔اور ایک الگ افسانہ نگار کے نام سے پہنچانی جاتی ہیں۔اس افسانے کی مکالمہ نگاری اور منظر نگاری بہت کم ہے۔مکالمہ کا استعمال ایسا ہے جیسے دال میں نمک، حالانکہ جو رنگ و آہنگ عصمت کے پہلے افسانے میں موجود ہے وہ اس افسانے میں بھی مفقود ہے۔اس افسانے سے ان کی ایک نئی سوچ فکر کا پتہ چلتا ہے۔مگر اس افسانے میں عصمت نے عورت کی سوچ اور فکر میں نمایاں تبدیلی کر کے دراصل عصری سماج کی ہنسی اڑائی ہے۔ جو کہ ترقی یافتہ سماج کے لئے خطرہ ہے۔ یہ افسانہ فنی اوصاف کا حامل نہ ہو کر سماج کے ایک خاصہ مسئلہ کی نمائندگی کرتا ہے۔اس میں عصمت چغتائی نے فی الحقیقت فنی نقطہ نظر کو اہمیت نہ دے کر مسئلہ کو زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

عصمت چغتائی کی تخلیقات تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انھوں نے ساری زندگی سماجی

مسائل کے حل کرنے میں گزاردی۔ اور وہ مسائل جو ناسور کی طرح سماج میں پھیل رہے تھے عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اس طرح کے موضوع کسی اور نے نہیں لکھے ہیں کیونکہ عصمت چغتائی مسلم متوسط طبقہ سے تھی۔ انھوں نے اس طبقے کو بہت غور سے دیکھا۔ اور مطالعہ کیا۔ وہ سوچتی تھیں کہ مسلمانوں میں جو لڑکیاں بے زار ہیں۔ اپنا دکھ درد کسی سے نہں کہہ سکتی۔ ان مسلمان لڑکیوں کو بڑھاوا دیا جائے اور ان کو کامیابی کی منزل پر گامزن کیا جائے۔ انھوں نے پسماندگی کا عمیق مطالعہ کیا۔ اس کے محرکات کی تہہ تک پہنچی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ لوگوں کا سماجی شعور بیدار کیا۔ جس جان سوزی سے عصمت چغتائی نے سماجی مسائل کو دیکھا اسی طرح ان کا حل بھی تلاش کیا۔ اسی وجہ سے عصمت چغتائی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کا نام سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

✦✦✦

حاصلِ مطالعہ

حاصلِ مطالعہ

عصمت چغتائی ایسی پہلی خاتون ہیں۔ جو اردو ادب میں ایک ممتاز حیثیت کی مالک ہیں ان کی نثر اپنے اندر بے ساختگی اور تھکے پن کے علاوہ ایک تمثیلی جوہر بھی رکھتی ہے۔ عصمت چغتائی انشا پرداز ہی نہیں۔ بلکہ ایک صاحب طرز بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے ناول اور افسانوں کے ذریعہ ادب میں بہت بڑا مقام حاصل کیا ہے۔ ان کے ناول اور افسانوں میں ایسی دلکشی ہے جس کا مقابلہ کوئی اور افسانہ نگار نہیں کر سکا۔ انھوں نے اپنے عہد میں جو ناول یا افسانے لکھے وہ بہت مقبول ہوئے ہیں وہ ایک ایسی فن کار تھیں۔ جنھوں نے نہ صرف اپنے خیالات کو تحریر کیا بلکہ ایک سماجی و ثقافتی برائیوں کی حقیقت سے روشناس کرایا۔

عصمت کی شخصیت بحیثیت افسانہ نگار اور ناول نگار کے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی پیش بہا خدمات نے ان کا نام ہمیشہ کے لئے اردو ادب میں روشن کر دیا۔ عصمت چغتائی فن کارانہ فضیلت میں مضمر ہیں انھوں نے افسانوی ادب میں اپنے تجربات و مشاہدات کے ذریعہ عوام کو اس کی صحت مند اور اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا۔ اس طرح انھوں نے افسانوی ادب کو فنی شعور اور اسلوب نگارش عطا کیا۔ وہ کوئی اور دوسرا ناول نگار نہیں کر سکتا۔ عصمت نے اپنے زمانے کے سماج کی تصویر کشی میں کسی طرح قید و بند برداشت نہیں کیا۔ انھوں نے سماج کے حسن و قباح کی دونوں تصاویر کو اپنی کہانیوں میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

عصمت چغتائی کا اصلی نام عصمت خانم تھا۔ ان کی پیدائش ۲۱ راگست ۱۹۴۵ء کو بمقام بدایوں میں ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام نصرت خانم اور والد کا نام مرزا نسیم بیگ چغتائی تھا۔ ان کا آبائی وطن آگرہ تھا۔ عصمت کا خاندان پڑھا لکھا تھا۔ عصمت چغتائی بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طالبہ رہ چکی

ہیں۔انھوں نے اپنے طالب علمی کے دور کی عکاسی بہت اچھے انداز میں کی ہے۔عصمت نے گھریلوں ماحول اور کالج کی زندگی کو اس طرح بیان کیا کہ جیسے وہ اپنی ہی زندگی کی کہانی سنا رہی ہوں۔

عصمت چغتائی ایک اچھی طالبہ اور روشن خیال خاتون تھیں۔انھیں تعلیم کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ جب وہ بارہ تیرہ سال کی تھیں۔انھوں نے قرآن شریف پڑھ لیا تھا۔قرآن شریف کی تعلیم کے بعد عصمت چغتائی نے جب انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تو انگریزی تعلیم کے لئے ان کے خاندان والوں نے بے حد مخالفت کی۔لیکن عصمت نے اپنا ارادہ پختہ رکھ کے اپنا نام عبداللہ گرلس کالج میں لکھوالیا۔اور اپنی تعلیم مکمل کی۔ پھر ان کا روخ اردو ادب کی طرف رجوع ہوا۔انھوں نے ناول اور افسانے بھی لکھے۔یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ناول نگاری میں اپنا مقام پیدا کیا اور سب سے پہلا ناول ضدی لکھا۔جس کی چند سطریں درج ذیل ہیں۔

ضدی ۱۹۶۱ء میں تحریر کیا گیا۔ضدی نے انھیں ایسے فن کار کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ جو سماجی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا اور ان کا حال پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔عصمت کی تحریر میں ایک باغیانہ روش ملتی ہے۔ان کے یہاں جنسیت کا پہلو رہ رہ کر ابھرتا رہتا ہے۔اور طنز کی بارش ہوتی ہے۔ ضدی میں اس کی نشاندہی برائے نام کی جاسکتی ہے۔لہٰذا اپنے معاصرین کی طرح وہ ایسی فن کار نظر آتی ہیں۔ جو سماج کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔عصمت کے فکر وفن پر مطالعہ کرنے والوں کو ضدی کا شمار ایسی فہرست میں کرنا چاہئے۔جس میں ایک فن کار کا عکس نظر آجاتا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک اور ناول معصومہ ہے۔عصمت چغتائی نے اس ناول کے اندر مسلم گھرانوں کی اقتصادی بدحالی کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔اصلیت یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔اس ناول میں تقسیم ہند کے وقت حیدرآباد کے ایک مسلم گھرانے سے لے کر بمبئی کے سیٹھوں اور فلمی پروڈیوسروں اور عورتوں کے سفید پوش

دلالوں کی زندگی کا نقشہ بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح عصمت چغتائی نے یک بعد دیگرے افسانے لکھے۔ وہ سبھی دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ عصمت چغتائی نے نہ صرف افسانے لکھے ہیں بلکہ ناول میں بھی ایک اہم مقام حاصل کیا ہے۔ عصمت چغتائی کا پہلا افسانہ لحاف ہے۔ اس افسانے کے اندر انھوں نے عورتوں کے جنسی مسائل کو بڑے بے باکانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ بالخصوص ان عورتوں کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ جن کے شوہر جنسی طور پر ناکارہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسے ماحول میں رکھی جاتی ہے جہاں آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور نا ہی ان کے جنسی جذبات کے تسکین کا کوئی راستہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے حالات میں خواتین غیر فطری راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ عصمت چغتائی کا یہ ایک جرأت مندانہ اظہار ہے جس میں انھوں نے بڑے مسئلوں کو افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ بقول وقار عظیم :

> ''عصمت کا بڑا اضافہ یہ ہے کہ انھوں نے بتایا ہے کہ عورت کے بھی اپنے مسائل ہیں۔ ش۔ اختر کے الفاظ میں عصمت نے اس حقیقت کو کبھی نہیں بھلایا کہ جنس زندگی کا ایک سنگ بنیاد ہے۔ اور تخلیق سے اس کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ عصمت نے پہلی بار میلان ہم جنسی پر لحاف لکھا۔ لحاف میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے اگر ایک نوجوان اور شریف عورت ایک ہجڑے خاوند کے پلے باندھ دی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتی ہے''۔ [۱]

اس طرح عصمت چغتائی نے چوتھی کے جوڑے میں مسلم گھرانے کی لڑکیوں کے شادی بیاہ کے مسائل کو بڑے موثر انداز سے پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں مسلم معاشرے اور تہذیب کے درد و کرب کو بڑے سلیقے سے لکھا ہے کیونکہ مسئلہ صرف گھر یا ایک خاندان کا نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلم گھرانے بالخصوص متوسط طبقے کے خاندانوں کا ہے۔ ہمارا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ہندوستان کی تمام

[۱] نقوش۔ افسانہ نمبر، اردو افسانے میں روایت اور تجربے، وقار عظیم ، ص ۱۰۳۹۔

مسلم لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ہے۔ عصمت چغتائی نے اس مسئلے کو جس فن کارانہ ڈھنگ سے پیش کیا وہ اپنی جگہ ایک نقش بن گیا ہے۔

چوتھی کے جوڑے میں ایک لڑکی کی معمولی سی کہانی میں عصمت چغتائی نے ایک معاشرے اور ایک تہذیب کے سارے درد اور ایک درد کی ساری ٹیسیں بھر دی ہیں۔ اس کہانی کو ایسے انداز سے پیش کیا ہے کہ حقیقت کا عکس ہمارے سامنے چھلکتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے سامنے ایک زندہ تصویر ہے۔

عصمت چغتائی کی شخصیت نہ صرف ایک اعتبار سے مستحکم ہے بلکہ دیگر تخلیق کاروں سے قدر کے مختلف بھی ہے۔ انھوں نے سماجی اور معاشرتی زندگی کو صرف باہری کی کتابوں سے نہیں پڑھا بلکہ اپنے ہی گھروں کی نجی زندگی اور اس کے کرب و اضطراب کا گہرائی سے مطالع کیا۔

بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگار کے انھوں نے خواتین اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر توجہ دی۔ ان کے ذہنی خلفشار کا ایک حد تک مطالعہ کیا وہ باقی ذہنوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسا ذہن بھی ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں جو بے پناہ حساس ہے۔ غرض یہ کہ عصمت کے خیالات کے منفرد امتیازات اپنا ایک علیحدہ امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کا انداز بیان ان کی تحریر نہایت صاف سلیس اور سبق آموز ہے۔ انھوں نے جتنے بھی افسانے اور ناول لکھے ہیں وہ سب اچھے اور دلچسپ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عصمت چغتائی نے اپنے دور میں شہرت عزت سبھی کچھ حاصل کیا ہے اور آج تک ان کو ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصمت چغتائی وہ پہلی افسانہ نگار تھیں۔ جنھوں نے اپنے افسانے کے اندر جنسی حقیقت نگاری کو موضوع بنایا۔ انھوں نے سادھا اور سلیس زبان میں سماج کی ان آلودگیوں کو ظاہر کیا جو انسانوں کی نظروں کے سامنے نہیں آتی تھیں۔ عصمت چغتائی جب افسانہ نگاری

کی طرف مائل ہوئیں تو انھوں نے ابتداء میں دوسرے افسانہ نگاروں سے متاثر ہو کر افسانے لکھے۔ لیکن بعد میں وہ خود ہی اپنے افسانے کے لئے منسوخ ہوگئی۔ عصمت چغتائی نے خاص طور سے عورتوں کو اپنا موضوع قرار دیا۔ ان کی ذہنی کشمکشی ان کی الجھنیں ان کی فطری کمزوریاں محبت اور نفرت وغیرہ کے پہلوؤں کے ساتھ ان کے جنسی مسائل کو بھی اپنی تحقیقات میں پیش کیا۔ اس طرح انھوں نے نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اور نئے جذبات و احساسات کا اسلوب اختیار کیا۔ عصمت چغتائی کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کی سچائیوں کی تصویر پیش کرنے میں اچھائیوں کے اظہار کے ساتھ برائیوں کی تصویر پیش کرنے سے بھی نہیں کتراتیں۔ عصمت چغتائی کو درمیانی طبقے کے گھریلو ماحول کی عورتوں کی بے بس زندگی پر ترس آتا ہے۔ اس طرح انھوں نے ان عورتوں کے بارے میں نہ صرف بے شمار اچھے افسانے لکھے بلکہ ڈرامے بھی قلم بند کئے ہیں۔ بحیثیت ایک افسانہ نگار انھوں نے خواتین اور خاص کر نوجوان لڑکیوں کے مسائل پر توجہ دی اور ان کے ذہنی خلفشار کو ایک حد تک قلم بند کیا ہے۔ عصمت نے سماج کو نئے زاویوں سے دیکھا اور ہر کردار کو اس کے اصل پس منظر میں پیش کیا۔ یہاں تک کہ ہر کردار کی گفتگو ان کے معاملات اور اس کے لب و لہجہ پر خاص توجہ دی۔ عصمت چغتائی کے افسانے کا خاص طریقہ کار جنسی حقیقت نگاری ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر افسانے لکھے۔ جس میں جنسی اور سماجی حقیقت نگاری کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ عصمت کے ابتداء جنسی حقیقت نگاری سے ہوئی۔

یہ حقیقت ہے کہ عصمت چغتائی کے افسانے اتفاق سے اس دور میں منظر عام پر آئے جو جنسی اور معاشرتی الجھنوں کا دور تھا۔ سماج میں عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماج جہالت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تعلیم کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔ عورت ظلم و ستم سہتی تھی۔ عصمت چغتائی کو ان تمام باتوں سے دلی تکلیف ہوتی تھی۔ اپنے افسانوں میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ایسا لگتا ہے کہ

جیسے وہ ایک حقیقت ہے۔

عصمت کا دوسرا اہم موضوع سماجی حقیقت نگاری ہے۔عصمت گھریلوں زندگی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے سماجی بندشوں کوتوڑنے کا مکمل ارادہ رکھتی تھیں۔جس میں وہ کامیاب بھی ہوئیں۔کیونکہ انھیں حقیقت نگاری پر بھی ملکہ حاصل تھا۔انھوں نے اپنے افسانوں میں شمالی ہندستان کے متوسط طبقے کے افراد کی زندگیوں کے نقشہ کھینچے ہیں۔اور فرسودہ رسم ورواج کی کھل کر مخالفت کی ہے۔عصمت نے سماجی اور جنسی حقیقت کے علاوہ دیگر موضوعات کو بھی اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔مثلاً فسادات قومی یکجہتی اور اشتراکیت وغیرہ۔انھون نے ملک کی تقسیم اور آزادی کی جدوجہد جاگیرداری بے کاری اور سیاسی موضوعات کو بھی بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔

عصمت کی بصیرت نے انھیں ایسے الفاظ استعمال کرنے کا حوصلہ دیا۔جوان کے آس پاس کے ماحول میں موجود تھے۔عصمت چغتائی کرداروں کے سلسلے میں اپنے خاندان اور اپنے قریبی حلقے کا انتخاب کرتی تھیں۔مگر اس کے باوجود عورتوں اور مردوں کے کردار میں تفریق نہیں کرتی تھیں۔انھوں نے ایسے کرداروں کو اپنے فن کا نمونہ بنایا۔جو سماج میں معیوب تھے۔عصمت چغتائی اپنے کرداروں سے بے حد محبت کرتی تھیں اور کبھی کبھی وہ خود کردار بن کر بولنے لگتی تھیں۔

عصمت چغتائی کی حیثیت عام افسانہ نگاروں کی طرح نہیں بلکہ ایک اچھی فن کار، ایک اچھی افسانہ نگار اور ہر دل عزیز کی ہے۔انھوں نے اپنے افسانوں کی منظر نگاری پر بھی توجہ دی ہے۔وہ صبح کی روشنی چمکیلی فضاء شام کے سائے پیش نہیں کرتی۔بلکہ ان کے افسانوں میں معاشرے کے معرکے ہیں۔وہ اپنے موضوع کو جاندار بنانے کے لئے منظر کشی کرتی ہیں۔وہ موضوعات اور مسائل جن کو پیش کرنے والا خود مسائل کی پیچیدگی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔عصمت نے اس مسائل میں اپنی تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فضائے آفرینی کی ہے اور یہ سچ ہے کہ اگر وہ منظر کشی کا سہارا نہ لیں تو خاص

کیفیت واقعاتی مسئلے کو گہرائی سے پیش کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے عصمت نے اپنے افسانوں میں مناظر کے ذریعہ پلاٹ کے بڑے حصے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ منظر کشی میں ان کا اپنا الگ اسٹائل ہے ایک نیا رنگ ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد حقیقت کا عکس چھلکنے لگتا ہے۔

عصمت نے اپنے یہاں افسانوں کی کردار نگاری کی منظر کشی کو اہمیت دی ہے اور مکالمہ نویسی کو بھی پیش کیا ہے بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی نے مکالمہ نویسی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کی مکالمہ نویسی سے بے حد تقویت نصیب ہوتی ہے۔ وہ مکالموں میں نسبتاً بے باکی کا مظاہر کرتی چلی جاتی ہیں۔ عصمت کے تمام افسانے و مکالمے ان کی فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انھوں نے مکالمے مختصر اور جامعہ انداز میں پیش کئے ہیں۔

اردو ناول نگاری کے فن کو عصمت چغتائی نے فن کارانہ اظہار کی جرأت عطا کی اور حقائق حیات ان کے ناول کا موضوع ہیں۔ انھوں نے زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کے اظہار میں رسمی تکلفات کی روکاوٹوں کو قبول نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ ان پر اظہار کی برہنگی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ان کے یہاں بے باکی اور بے تکلفی تو ہے لیکن ایسی نہیں کہ اسے برہنگی یا فحاشی تصور کیا جائے۔ کیونکہ فن سے فن کار کی شخصیت کا گہرا تعلق اور رشتہ ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عصمت چغتائی نے پہلی مرتبہ ناول نگاری کے لئے ایسا راستہ منتخب کیا۔ جو جانا پہنچانا نہ تھا۔ عورت ہونے کے باوجود انھوں نے جنسی مسائل پر لکھا۔ انسانی زندگی سے وابستہ حقیقتوں کو بے باکی کے ساتھ پیش کیا۔ واقعیت اور صداقت پر مصلحت کا غلاف چڑھایا اور ایک ایسا طرز اختیار کیا جو متوجہ کرنے والا تو ہے مگر تلذز کی جگہ جنسی پیچیدگی الجھنوں کے سلسلہ میں تنفر پیدا کرتا ہے۔ بقول آلِ احمد سرور :

''عصمت چغتائی نے ہندوستان کے متوسط طبقے اور مسلمانوں کے شریف

خاندانوں کی بھول بھلیاں کو جس جرأت بے باکی سے بے نقاب کیا ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں وہ اپنے اندر باغی کا ذہن ایک شوخ عورت کی طاقت لسانی اور ایک فن کار بے لاگ اور بے رحم نظر رکھتی تھیں۔ وہ عورت ہیں مگر اس سے زیادہ ایک فن کار ہیں۔'' [۱]

ادبی حلقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ عصمت چغتائی نے اپنے ناول کے اندر خواتین کے جذبات ،احساسات، ان کی مجبوریوں اور ان پر ہونے والے ظلم وستم کو پیش کر کے ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان کے ناولوں میں بالخصوص کرداروں کو زیادہ ابھارنے اور روشن کرنے کی کامیابی ہے۔ وہ ایک عورت ہیں اس لئے عورتوں کی مکمل موثر ترجمانی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے کرداروں میں خارجی پیکر کی تشکیل کے ساتھ ان کی اندرونی شخصیتوں کی تعمیر کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ مثلاً ٹیڑھی لکیر اور معصومہ وغیرہ ناول جس کی مثال ہیں۔ اس میں انھوں نے بہت اچھے انداز سے کرداروں کو ابھارا ہے۔

عصمت چغتائی کا ایک کامیاب ناول سودائی ہے اس میں انھوں نے نفس اور موضوع کے اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے افراد کا ذکر کیا ہے۔ جن کی بنیادی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ بظاہر شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ لیکن اخلاقی اعتبار سے بالکل پست ہے لہٰذا وہ اپنی جھوٹی شرافت اور جھوٹی عزت عیاری اور مکاری کے بل بوتے سماج کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں۔ عصمت چغتائی اس ناول کے اندر یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ایک اچھے خاندان کے لوگ دوسروں کو کس طرح برباد کر دیتے ہیں۔

بہر کیف یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عصمت چغتائی کے ناولوں کی واقعہ نگاری بہت جچی تلی ہے ان کے ربط و ضبط میں خاصا اہتمام نظر آتا ہے۔ ہر واقعات دوسرے واقعات کے متعلق نظر آتے ہیں۔ بالخصوص ناول کے واقعات کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی محرک ضرور موجود ہوتا ہے۔ جن کا تعلق زندگی

[۱] تنقیدی اشارے، آل احمد سرور، ص ۴۲۔

کی صداقتوں سے ہوتا ہے۔ان کے ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ واقعات کو جیسے پلاٹ میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ واقعات خود بہ خود آگے بڑھتے ہیں۔اور ہر نیا واقعہ راہیں ہموار کرتا نظر آتا ہے۔عصمت چغتائی اپنے ناولوں کی پلاٹ کی ترتیب میں فن کارانہ شعور سے بھر پور مدد لیتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ خاص احتیاط رکھتی ہیں۔لہٰذا عصمت کے ناولوں کے پلاٹ میں مقصدیت اور آفادیت کا پہلو موجود ہے۔غرض یہ کہ عصمت چغتائی کے ناول کی زبان نہایت سادھا سلیس اور سبق آموز ہوتی ہے جس کو پڑھنے کے بعد لطف اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ انھوں نے زندگی کے انوکھے پہلوؤں کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ حقیقی منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ان کے ناولوں میں واقعات کا بے روک ٹوک بہاؤ یا ایک فطری تسلسل ملتا ہے۔لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصمت چغتائی ایک ایسی فن کار اور ایک ایسی ناول نگار تھیں۔جنھوں نے ادب میں خواتین کے مسائل کو ابھار کر رکھ دیا۔اور انھوں نے جو کچھ لکھا وہ سبق آموز لکھا۔یہی وجہ ہے کہ خواتین ناول نگاروں میں عصمت چغتائی کا نام سرفہرست ہے۔

عصمت چغتائی اردو کی مایہ ناز اور بلند پائے کی ادیبہ تھیں۔اردو فکشن کے میدان میں انھوں نے گرانمایہ کارنامے انجام دیئے۔جس کی بدولت انھیں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔انھوں نے نئے نئے افسانوی ادب کی ترجمانی جس انداز سے کی اسے دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں افسانوی ادب کے معماروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ادب کی افسانوی دنیا میں عصمت کی حیثیت نرالی اور بلند ہے میرے خیال میں تو عصمت نئے افسانوی ادب کی ترجمان کہی جاسکتی ہیں۔

انھوں نے سماجی میلانات کی طرف بھی توجہ مرکوز کرائی ہے جس کے منفی اثرات حیات انسانی پر مرتسم ہوتے رہتے ہیں۔عصمت چغتائی نے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو منفی تصورات میں انسانی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔عصمت نے اپنی باغیانہ روش کے تحت جو طرز فکر اپنایا وہ

انسانی دنیا میں ایک نئی جہت کو روشن کرتا ہے۔ان کا فن خلوص اور جدید لب ولہجہ ہمارے ادب میں ایک قیمتی سرمایہ ہے۔انھوں نے سماجی، سیاسی، اقتصادی مسائل اور تہذیبی اور ثقافتی میلانات کو اپنے مخصوص زاویہ نظر سے دیکھا اور اسے مختلف پہلوؤں سے پیش کیا۔بہر کیف حقیقت کچھ بھی ہو میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ عصمت چغتائی نے پہلی مرتبہ ہماری تہذیبی ثقافتی داخلی اور خارجی زندگی کی اعلیٰ قدروں کو محسوس کیا۔اور اسے اپنے فنی شعور سے لازوال بنا دیا۔عصمت وہ خاتون فکشن نگار ہیں۔جنھوں نے نہ صرف فکشن میں اپنا مقام بنایا بلکہ اردو فکشن کو نئے نئے تجربات سے نوازا اور اس کے اوصاف کو قلم بند کیا۔انھوں نے پہلی بار مسلم متوسط گھرانوں کی بے چینیوں کی مصوری کی ہے اور ملک کے جیتے جاگتے ماحول کو حقیقی انداز میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اوراق ادب کے مطالعے کے بعد میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ عصمت بحیثیت ایک خاتون افسانہ نگار اور ناول نگار کے وہ ایک اچھی ادیبہ بھی تھیں۔انھون نے اپنے اسلوب کے ذریعے بلند مقام حاصل کیا۔ان کی تحریروں میں شوخی نزاکت وسعت سبھی کچھ شامل ہے۔ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھیں انفرادیت کے سبب بہت عروج حاصل ہوا ہے۔انھوں نے اپنی تحریروں میں صاف اور سلیس زبان کا استعمال کیا۔انھوں نے جتنے بھی ناول اور افسانے لکھے اس میں متوسط گھرانوں کی خواتین کے اوپر نظر ڈالی ہے۔ان کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے کردار کو اصل پس منظر میں پیش کیا ہے۔کردار کی گفتگو کے لب ولہجہ اور اس کی نقل وحرکت اور معمولات سے اس کو زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ان کے ناول اور افسانوں کے اندر حقیقت کا عکس نظر آتا ہے۔انھوں نے اپنی بات کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ سماج کی تمام برائیاں معاشی مسائل اور معاشرتی تبدیلیاں ابھر کر ہمارے سامنے آگئی ہیں۔

عصمت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے متوسط گھرانوں کی ایک خاص عمر کی لڑکیوں

کی زندگی کی ترجمانی کو اپنا موضوع بنایا ہے جس کی ترجمانی میں انھیں وہ مہارت حاصل ہے کہ بقول ماہرین نفسیات کے اس خاص عمر کے متعلق وہ جھلک نظر نہیں آتی جو عصمت کے افسانوں میں ملتی ہے۔

عصمت چغتائی کے ناول اور افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں سیاست مذہب ،زمینداری ہندو مسلمان ان کی باہمی لڑائی نوجوان ،غنڈے ہندوستانی گالیاں اور غربت سبھی کا ذکر کیا گیا ہے۔ان سب چیزوں کے ذکر میں نہ صرف شوخی ، لطافت مشاہدہ کی باریکی اور گہرائی ہے بلکہ طنز کی بارش بھی ہے وہ خوبصورتی کے ساتھ وہ جو کچھ بیان کرتی ہیں گو کہ تفصیل سے نہیں ، چلتے ہوئے معمولی سے فکرے میں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں ۔ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں فلسفے کی گہرائی کو نمایاں کر دیا ہے کہ پڑھنے والا کبھی کبھی اس فکر سے بھڑک بھی جاتا ہے اور تلملا بھی اٹھتا ہے۔ یہ چلتے ہوئے معنوم فکرے نہ صرف عصمت کے فن کا سب سے لطیف پہلو ہیں بلکہ ان کے طنز کا سب سے تیز اور شوخ حربہ بھی ہیں۔

عصمت کی بے باک ذہانت اور قدرت اظہار نے سماج کا ایک باغی ذہن قرار دے دیا تھا۔ اس کی وجہ سے عصمت نے سماج میں پھیلی جنسی بے راہ روی کو اپنے افسانوں میں اس طرح جگہ دی ہے کہ وہ پوری طرح بے نقاب ہو کر منظر عام پر آ جاتے ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں حقیقت بیانی کو اس کا سد باب سمجھتی ہیں۔صرف بھول بھلیاں پر بھروسہ نہیں رکھتی ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ جب تک برائی کو اس کی اصل صورت میں نہ پیش کیا جائے اس وقت تک اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ بحیثیت ایک افسانہ نگار ان کی مقبولیت کا راز اس بات پر مضمر ہے کہ انھوں نے اس بات کی پروانہ کی کہ انھیں اپنے عہد کے حقائق بیان کرنے کی کیا سزا ملے گی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو فکشن کی عمر اگر چہ زیادہ نہیں ہے لیکن اسے وقیع اور پروقار بنانے میں جن معماروں کے نام ہمیشہ زندہ رہیں گے ان میں عصمت چغتائی کا نام بھی شامل

ہے۔عصمت چغتائی کے ہر کردار کی گفتگو اس کی نقل وحرکت اس کے معمولات اور اس کا لب ولہجہ نقل مطابق اصل ہے۔انھوں نے فکشن کو بے باکی عطا کی اور جنسی مسائل پر مختلف زاویوں سے بحث کی۔ لیکن ان پر جنسی لذت اندوزی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔وہ جو کچھ لکھتی تھیں اسے ادبی رنگ میں پیش کر دیتی تھیں۔اسی وجہ سے وہ اردو فکشن میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

✦✦✦

کتابیات

کتابیات

نمبر شمارہ	نام کتاب	نام مصنف/مرتب	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۔	آزادی کے ہندوستان کا اردو ادب	ڈاکٹر محمد ذاکر	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی	ستمبر ۱۹۸۱ء
۲۔	آج کا اردو ادب	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	ایجوکیشنل بلک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۷۹ء
۳۔	آدھی عورت آدھا خواب	عصمت چغتائی	بیسویں صدی پبلی کیشن	۱۹۸۶ء
۴۔	آتی جاتی لہریں	مظہر امام	اسرار کریمی پریس، الہ آباد	۱۹۸۱ء
۵۔	اردو فکشن کے ارتقاء میں عصمت چغتائی کا حصہ	ڈاکٹر محمد اشرف	نصرت پبلیشرز، حیدری مارکیٹ، امین آباد، لکھنؤ	۱۹۹۷ء
۶۔	اردو فکشن کی تنقید	ڈاکٹر مرتضیٰ کریم	تخلیق کار پبلیشر، منزل آئی بلاک لکشمی نگر، دہلی	۱۹۹۶ء
۷۔	اردو افسانے کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۰ء	ڈاکٹر مہناز انور	نصرت پبلیشر حیدری، مارکیٹ امین آباد، لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۸۔	اردو ناول نگاری	سہیل بخاری	الحمرا پبلیشرز دہلی	۱۹۷۲ء
۹۔	اردو ناولوں میں سوشلزم	ڈاکٹر زرینہ عقیل احمد	کتابستان، الہ آباد	۱۹۸۲ء
۱۰۔	اردو ناول کا نگارنامہ	کے۔ کے۔ کھلر	سیمانت پرکاش دہلی	۱۹۸۳ء
۱۱۔	اردو افسانوں میں لس بین ازم	ش۔ اختر	کلچرل اکیڈمی، گیا	۱۹۷۷ء
۱۲۔	اردو افسانہ کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر مہناز انور	نصرت پبلیشرز، لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۱۳۔	اردو افسانہ، ترقی پسند تحریک سے قبل	ڈاکٹر صغیر افراہیم	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۹۱ء
۱۴۔	ادب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	اردو گھر، علی گڑھ۔	۱۹۸۳ء
۱۵۔	اردو کے تیرہ افسانے	ڈاکٹر اطہر پرویز	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۸۳ء
۱۶۔	ادبی تنقید	ڈاکٹر محمد حسن	ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ	۱۹۵۴ء

نمبر شمارہ نام کتاب	نام مصنف/مرتب	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۷۔ اردو ناول کا ارتقاء	ڈاکٹر مجتبیٰ حسین	پرویز بکڈپو، لکھنؤ	۱۹۷۴ء
۱۸۔ اردو ناول آزادی کے بعد	ڈاکٹر اسلم آزاد	نکھار پبلی کیشن مئوناتھ بھنجن	۱۹۸۱ء
۱۹۔ اردو ناول بیسویں صدی میں	پروفیسر عبدالسلام	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۷۳ء
۲۰۔ اردو ناول سمت و رفتار	ڈاکٹر سید علی حیدر	سبستان الہ آباد	۱۹۷۷ء
۲۱۔ ایک قطرۂ خون	عصمت چغتائی	صبیب پبلی کیشن، کراچی	جولائی ۱۹۷۷ء
۲۲۔ ایک بات	عصمت چغتائی	نیا دارہ لاہور	دوسرا ایڈیشن
۲۳۔ اردو ناول میں طنز و مزاج	ڈاکٹر شمع افروز زیدی	اردو اکاڈمی، دہلی کے مالی اشتراک	۱۹۸۷ء
۲۴۔ اردو افسانے کی روایت	ڈاکٹر مرزا حامد بیگ	اکاڈمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد	
۲۵۔ اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	خلیل الرحمٰن اعظمی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، لال کنواری، دہلی	۱۹۷۹ء
۲۶۔ اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ	ڈاکٹر نکہت ریحانہ خاں	ایجوکیشنل بک ہاؤس، لال کنواری، دہلی	۱۹۶۸ء
۲۷۔ بیسویں صدی میں اردو ناول	ڈاکٹر یوسف سرمست	نیشنل بک ڈپو، حیدرآباد	۱۹۷۳ء
۲۸۔ بدن کی خوشبو	عصمت چغتائی	مکتبہ اردو ادب، لاہور	۱۹۷۹ء
۲۹۔ پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	نصرت پبلیشرز، لکھنؤ	۱۹۷۵ء
۳۰۔ ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ	ڈاکٹر صادق	اردو مجلس دہلی	۱۹۸۱ء
۳۱۔ تنقیدی زاویے	ڈاکٹر عبارت بریلوی	چمن بکڈپو، دہلی	۱۹۵۰ء
۳۲۔ ترقی پسند ادب	عزیز احمد	چمن بکڈپو، دہلی	اپریل ۱۹۸۲ء
۳۳۔ تنقیدی مضامین	پطرس بخاری	ادبی دنیا، دہلی	۱۹۸۳ء
۳۴۔ تنقیدی اشارے	آل احمد سرور	اردو لکھنؤ	۱۹۶۴ء

نمبر شمارہ نام کتاب	نام مصنف/مرتب	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۳۵۔ تنقیدی تناظر	پروفیسر قمر رئیس	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۷۷ء
۳۶۔ ترقی پسند تحریک اردو افسانہ	ڈاکٹر صادق	نعمانی پریس، دہلی	۱۹۸۱ء
۳۷۔ تین اناڑی	عصمت چغتائی	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی	۱۹۸۰ء
۳۸۔ تلاش وتوازن	ڈاکٹر قمر رئیس	ادارہ خرام پبلی کیشن، دہلی	اپریل ۱۹۶۸ء
۳۹۔ ٹیڑھی لکیر	عصمت چغتائی	مکتبہ اردو، لاہور	۱۹۴۹ء
۴۰۔ جنگلی کبوتر (باندی)	عصمت چغتائی	ہند پاکٹ بکس، دہلی	
۴۱۔ جڑیں	عصمت چغتائی	نئی دہلی	فروری ۱۹۹۴ء
۴۲۔ چھوئی موئی	عصمت چغتائی	کتب پبلشرز لمیٹیڈ	جنوری ۱۹۴۷ء
۴۳۔ چوٹیں	عصمت چغتائی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۸۲ء
۴۴۔ دل کی دنیا	عصمت چغتائی	ہند پاکٹ بکس، دہلی	
۴۵۔ داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۸۰ء
۴۶۔ دو ہاتھ	عصمت چغتائی	کتب پبلیشرز لمیٹیڈ، بمبئی	جنوری ۱۹۴۷ء
۴۷۔ داستان سے افسانے تک	سید وقار عظیم	طاہر بلٹ ایجنسی	۱۹۷۲ء
۴۸۔ سودائی	عصمت چغتائی	اسٹار پبلی کیشنز، دہلی	
۴۹۔ شناخت	ش۔اختر	سینٹر فور سائنٹیفک اینڈ کلچرل، گیا	۱۹۸۱ء
۵۰۔ ضدی	عصمت چغتائی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	ستمبر ۱۹۸۰ء
۵۱۔ عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر	ڈاکٹر جمیل اختر	انٹرنیشنل اردو فاؤنڈیشن، نئی دہلی	
۵۲۔ عدسہ	ڈاکٹر ش۔اختر	کلچرل اکادمی، گیا	ستمبر ۱۹۳۸ء
۵۳۔ عصمت چغتائی شخصیت اور فن	جگدیش چندر ودھاون	مکرجی نگر ایسٹ دہلی	۱۹۹۶ء
۵۴۔ عجیب آدمی	عصمت چغتائی	ہند پاکٹ بکس، دہلی	

نمبر شمارہ نام کتاب	نام مصنف/مرتب	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۵۵۔ عبدالحلیم شرر، بحیثیت ناول نگار	علی احمد فاطمی	نصرت پبلشرز، لکھنؤ	۱۹۸۶ء
۵۶۔ عصمت چغتائی اور نفسیاتی ناول	پروفیسر عبدالسلام ڈاکٹر عبدالحق حسرت	اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی	۱۹۸۹ء
۵۷۔ عصمت چغتائی	سعادت حسن منٹو	بمبئی	۱۹۴۸ء
۵۸۔ عصمت چغتائی کا فن	پروفیسر گوپی چند نارنگ	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی	۱۹۸۱ء
۵۹۔ کلیاں	عصمت چغتائی	آزاد کتاب گھر، دہلی	۱۹۶۳ء
۶۰۔ لحاف	عصمت چغتائی	روہتاس بکس لاہور	۱۹۹۲ء
۶۱۔ مطلع افکار	ڈاکٹر سیما اصغر	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔	۱۹۹۸ء
۶۲۔ معصومہ	عصمت چغتائی	نیا دارہ لاہور	
۶۳۔ مختصر افسانہ کا فنی تجزیہ	ڈاکٹر فردوس فاطمہ تعمیر	انجمن ترقی اردو ہند دہلی	۱۹۸۱ء
۶۴۔ معیار و میزان	ڈاکٹر مسیح الزماں	رام لال بنی مادھو	۱۹۷۲ء
۶۵۔ محمل	محمد الدین موجد، بدایونی	نظامی پریس، بک ایجنسی، بدایوں	۱۹۴۷ء
۶۶۔ منٹو شخصیت اور فن	گوپال متل	ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس	فروری ۱۹۸۰ء
۶۷۔ نذیر احمد شخصیت اور کارنامے	ڈاکٹر اشفاق اعظمی	مکتبہ شاہراہ، دہلی	۱۹۷۴ء
۶۸۔ ناول کی تاریخ و تنقید	علی عباس حسینی	انڈین بک ڈپو، لکھنؤ	
۶۹۔ نیا افسانہ	وقار عظیم	ایجوکیشنل بک ہاؤس	۱۹۸۲ء
۷۰۔ نیا ادب	کشن پرساد کول	انجمن ترقی اردو پاکستان	
۷۱۔ ناول کیا ہے۔	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی	کتب خانہ انجمن ترقی اردو	
۷۲۔ نیا افسانہ، مسائل اور میلانات	ترتیب پروفیسر قمر رئیس	اردو اکاڈمی، دہلی	۱۹۹۲ء

نمبر شمارہ	نام رسالہ واخبار	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۔	آجکل (ماہنامہ)	نئی دہلی	جون ۱۹۷۲ء
۲۔	”	”	جنوری ۱۹۸۰ء
۳۔	”	”	اپریل ۱۹۷۱ء
۴۔	”	”	نومبر ۱۹۸۵ء
۵۔	”	”	دسمبر ۱۹۷۹ء
۶۔	”	”	مئی ۱۹۸۱ء
۷۔	”	”	نومبر ۱۹۷۰ء
۸۔	آواز (پندرہ روزہ)	نئی دہلی	یکم اپریل ۱۹۸۳ء
۹۔	الفاظ	علی گڑھ	مارچ تا جون ۱۹۸۰ء
۱۰۔	سب رس (ماہنامہ)	حیدرآباد	ستمبر-اکتوبر ۱۹۵۷ء
۱۱۔	ساقی (ماہنامہ)	دہلی	فروری ۱۹۴۵ء
۱۲۔	شاعر (ماہنامہ)	بمبئی	مارچ ۱۹۷۶ء
۱۳۔	صبا (ماہنامہ)	حیدرآباد	جون ۱۹۶۴ء
۱۴۔	عبداللہ ہال ریویو	علی گڑھ	۱۸۸۰ء
۱۵۔	کتاب (ماہنامہ)	لکھنؤ	ستمبر ۱۹۶۳ء
۱۶۔	گفتگو	بمبئی	مارچ ۱۹۷۶ء
۱۷۔	ذہن جدید	دہلی	فروری ۱۹۹۴ء
۱۸۔	میگزین (مسلم یونیورسٹی گرلز ہائی اسکول)	علی گڑھ	۱۹۷۵ء
۱۹۔	نگار (سالنامہ اصناف ادب نمبر)	پاکستان	۱۹۶۶ء
۲۰۔	نقوش (ماہنامہ)	لاہور	جون ۱۹۶۴ء
۲۱۔	نقوش (ماہنامہ) شخصیات نمبر	لاہور	۱۹۵۶ء

نمبر شمارہ	نام رسالہ واخبار	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۲۲۔	نقوش (ماہنامہ) سمپوزیم	لاہور	
۲۳۔	نقوش م (ماہنامہ) افسانہ نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۵۴ء
۲۴۔	نقوش (ماہنامہ) افسانہ نمبر	لاہور	ستمبر-اکتوبر ۱۹۵۲ء

✦✦✦